١٩٢٧

نمبر ٢٥ — جلد ١

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

الهلال

ھر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ھوتا ھے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ھندوستان سے باھر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماھي	- - -	سات روپیہ
قیمت في پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ھوں اُنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ھونا چاھیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ھوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع اپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ھے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ھفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جارہے ھیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ھفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لیے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ھے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۵ — کلکته : جمعه ۱۳ . جمادی الثانیه ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۲۰۷۱ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۵	اردو حروف کی حق مین	۵۳۵
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۸۰۲	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۳۷۰	نستعلیق هون	۱۹۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال

جدید مذهب روحی

تاریخ ظهور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصره

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچي ' تو علماء میں سخت بیچیني پیدا هوگئي - وه ڈرے ، که صدیوں کے جهاد علم کے بعد خرافات و اوهام کي جس سلطنت کا اُنهوں نے خاتمه کردیا تها ' وه اب پهر نئے هتیاروں سے مسلح هوکر علم کے مقابلے میں آرهي هے - لهذا اُنهوں نے چاها ' قدم جمنے سے پہلے هي اِس کا خاتمه کر دیں - چنانچه بے شمار علماء نے رائل سوسائٹي سے درخواست کي که اِس مذهب کے متعلق اپني رائے ظاهر کرے - انجمن نے درخواست منظور کرلي ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کي ایک منتخب مجلس قائم کردي - اِس مجلس میں رسل ولس ' ولیم کروکس ' ٹنڈل ' لارڈ اوبري ' اور هکسلے جیسے ائمۂ علم و حکمت بهي شامل تهے - مسلسل اٹهاره مهینے تک یه مجلس تحقیقات کرتي رهي - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں اُنکي روداد شایع کي - یه روداد دنیا کي اکثر زبانوں میں ترجمه هوچکي هے - اِس کي ذیل کي عبارت قابل غور هے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکه مخفي آلات کے ذریعه فریب کهانے کا احتمال باقي نه رهے - نیز اُن وسیطوں سے بهي کام نهیں لیا جو پیشه ور وسیط سمجهے جاتے هیں - خود ارکان هي میں سے ایک شخص وسیط بنایا گیا تها - یه شخص سوسائٹي میں بهت عزت و احترام رکهتا هے - اِس کي ایمانداري اور اخلاق میں غیر مشتبه هے - مال و دولت کي بهي اسے کوئي طمع نهیں - کیونکه خود مالدار هے - هم نے وه تمام احتیاطیں بهي برتلیں ' جو همارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروري تهیں - بار بار تجربے اور مشاهدے کیے - اِس روداد میں هم نے صرف اُنهیں مشاهدات کا ذکر کیا هے جو حواس کے ذریعه واقع هوئے ' اور جن کي صحت پر همیں کامل یقین هے "

" مجلس کے بهت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یه سب کے سب اِس مذهب کے سخت مخالف تهے ' اور کامل یقین رکهتے تهے که یه عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجه هیں یا وهم کا ' اور یا پهر عضلات و اعصاب جسم میں کسي غیر معمولي حرکت پیدا هو جانے کي وجه سے اس طرح کي حرکات ظهور میں آجاتي هیں - یه حد سے زیاده منکر اُس وقت تک قائل نه هوئے ' جبتک که بکثرت مشاهدات اُنهوں نے اِس طرح نه دیکهه لیے ' که کسي قسم کا شک و شبه وارد نهیں هو سکتا تها - بالاخر اُنهیں تسلیم کرلینا پڑا که جو کچهه اُنهوں نے بار بار دیکها هے ' وه حقیقت هے ' اور اُس کي صحت میں کلام کي گنجائش نهیں ... "

اِسي قدر نهیں بلکه سنه ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم هوئي - اِس کا نام " انجمن مباحث نفسیه " رکها گیا - اِس کا مقصد یه تها که مذهب روحي کو رسمي علم سے قریب تر کیا جائے اور علمي اصول پر اُسے اس طرح مرتب کردیا جائے که لوگوں کے لیے زیاده قابل قبول بن جائے - اِس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاهیر علماء و فلاسفه داخل هیں - اِس وقت تک وه بے شمار ضخیم جلدیں شایع کرچکي هے -

نمونه کے طور پر اِس انجمن کے بعض ارکان کي چند تحریروں کا ترجمه دیا جاتا هے - اِس سے معلوم هوگا که اُن کا طریق بحث کیا هے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹي) جو اس انجمن کا ممتاز رکن هے ' لکهتا هے :

" سنه ۱۸۷۳ع میں جبکه مذهب مادي همارے ملک کي عقلوں پر پوري طرح حاوي هوچکا تها ' کیمبرج میں احباب کي ایک مجلس منعقد هوئي ' اور طے کیا گیا که مذهب روحي ' جس پر اِس قدر بحث و نزاع جاري هے ' هماري توجه و تدقیق کا مستحق هے - میري رائے تهي که اِس مذهب کي بحث میں نه تو اساطیر اولین کي ورق گرداني مفید هوسکتي هے ' نه معتقدین کي روایات کي تحقیق ' اور نه منکرین کي تضحیک و انکار هي کار آمد هے - اس کي بحث و تحقیق کي صرف یهي صورت هے که هم خود تجربے کریں ' اور اپني آنکهوں کے مشاهدات پر بهروسه رکهیں - اگر عالم روحاني واقعي کوئي اصلیت رکهتا هے ' تو تمام دوسري حقیقتوں کي طرح اُس کا ثبوت بهي تجربۂ و مشاهده پر مبني هونا چاهیے - چنانچه اِسي اصول پر هماري اِس انجمن نے اپني بحث و تحقیق کا سلسله جاري کر دیا "

اِس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرکے کهتا هے :

" میں اِس عقیدے کو کیوں صحیح نهیں سمجهتا ؟ یه سوال هے جو هر علمي بحث کے وقت هر ایمان دار آدمي کے سامنے هونا چاهئے - مذهب روحي کي بحث میں اِس کي اور بهي زیاده ضرورت هے - مجهے اعتراف کرنا چاهئے که میرا علم اور میري معلومات جو یقیني نهیں هیں ' بلکه مرجح یا غیر مرجح هیں ' کائنات کے رموز و اسرار کے فهم سے قاصر هیں - اُن میں کوئي بهي علمي یا منطقي دلیل موجود نهیں هے جس کي بنا پر میں اپنے مشاهدات کي تردید کردوں - خصوصاً ایسي حالت میں جب که دیکهتا هوں ' یه تمام مشاهدات ' دوسرے یقیني مشاهدات و اصول سے کوئي تناقض نهیں رکهتے - علمي دلائل و براهین کا دائره کتنا هي وسیع اور یقیني هو ' مگر پهر بهي تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وه ناموس قدرت کے

لا متناهي اور سراسر مجہول عالم پر سرسري نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے "

سر اولیور لاج اپني کتاب " روح انساني کي ابدیت " میں لکھتا ھے :

" بہت سے عجیب و غریب حوادث کي صحت ثابت ھوچکي ھے - یہ حوادث ھر قوم اور ھر زمانے میں پیش آتے رھے ھیں - ممکن ھے ان کا بڑا حصہ اوھام و خواطر پر محمول کرکے رد کر دیا جائے - مگر اُن سب کا رد کر دینا ناممکن ھے - موجودہ علمي ترقي کي روشني میں کوئي دعوی نہیں کرسکتا کہ انساني روح کے تمام اعمال و خواص سے ھم واقف ھوچکے ھیں ' یا انساني روح کا علم ھم نے اِس درجہ منضبط اور آسان کر دیا ھے کہ ھرکس و ناکس اُسے سمجھہ لے - لیکن عجیب بات یہ ھے کہ بعض لوگ ایسا ھي یقین رکھتے ھیں - وہ ھر روز بغیر کسي اظہار حیرت کے علم الحیات ' کیمیا ' اور علم الالات کے زیادہ سے زیادہ محیر العقول اکتشافات پر ایمان لاتے رھتے ھیں' اور کبھي یہ نہیں کہتے کہ ھم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ھو گئے اور اب کوئي نیا اکتشاف قبول نہیں کرینگے - لیکن مذھب روحي کا نام آتے ھي ان میں انکار اور تحدي کا جوش پیدا ھو جاتا ھے - وہ بغیر کسي تامل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ھیں - یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ھے - یہ اِس بات کي دلیل ھے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کي کتني زیادہ استعداد رکھتے ھیں ؟ لیکن یاد رھے ' اُن کا یہ دعوی ' سراسر اساس علم کے خلاف ھے - وہ صرف اُسي حال میں کیا جا سکتا ھے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براھین سے بلا کسي بحث کے اعراض کر لیا جائے "

پروفیسر سڈگوک صدر " انجمن مباحث نفسیہ " اپنے سنہ ١٨٨٢ کے خطبۂ صدارت میں کہتا ھے :

" اب یہ سخت فضیحت کي بات ھوگي کہ اِن روحي حوادث کي صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کي تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کرچکے ھیں - یہ شرم کي بات ھے کہ مذھب روحي کے خلاف علمي دنیا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رھے ... اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میزوں کا اعتقاد ' عملي تہذیب کے نقص و فقدان کا کافي ثبوت ھے - لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاھدات کي بنا پر اِن امور کي تصدیق کردي ' تو منکروں نے اپنا انکار جاري رکھنے کیلیے نئے وجوہ کي تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا - اِنھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء ' علماء نہیں ھیں' بلکہ دجال ھیں - یا صرف علم کي بعض شاخوں میں دخل رکھتے ھیں - لہذا اُن کي شہادت معتبر نہیں - پھر جب اسکے بعد ایسا ھوا کہ ایسے ایسے لوگوں نے شہادت دي ' جن کي فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ھے ' تو اِن لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کردیا ' اور اِسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دیا ! "

اِس مجمل بیان سے اندازہ ھوگیا ھوگا کہ مذھب روحي نے اِس قلیل مدت میں کتني ترقي حاصل کرلي ھے - پروفیسر رسل ویلس اپني کتاب " عصر جدید کے معجزات " میں کہتے ھیں کہ اِس مذھب کے معتقد صرف یورپ میں اِس وقت دو کرور سے بھي زیادہ آدمي ھیں !

آخری مملوک سلطان مصر

ساڑھے چار سو برس پہلے ایک مغربي سیاح مشرق میں

ایک سیاح کي چشم دید شہادت اور اھم تاریخي فوائد

یورپ میں چھاپہ خانے کي صنعت کا رواج چودھویں صدي مسیحي سے شروع ھوا ھے - چودھویں صدي سے لیکر سترھویں صدي کے وسط تک مطبوعات کي رفتار بہت سست رھي - تاھم اِس ابتدائي زمانے میں بھي ایک کافي تعداد ایسي کتابوں کي شائع ھوتي رھي ھے' جو علمي اور تاریخي حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھي اپني قدر و قمیت رکھتي ھیں -

جنیوا کي ایک علمي انجمن کچھہ عرصہ سے اس قسم کي قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رھي ھے - اس سلسلہ میں کئي نادر اور قیمتی چیزیں گوشۂ گمنامي سے نکل چکي ھیں - ازانجملہ مشرقي ممالک کے سفر نامے ھیں جو چودھویں اور پندرھویں صدي مسیحي میں لکھے گئے تھے ' اور جن میں مشرقي ممالک کے امراؤ سلاطین اور وھاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ایسي چشم دید تفصیلات موجود ھیں ' جو کسي دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ھو سکتیں - آج ھم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاھتے ھیں -

یہ سفرنامہ کئي اعتبار سے مخصوص تاریخي اھمیت رکھتا ھے - سنہ ١٥١١ ع میں وینس کي جمہوري حکومت نے (جو اُس وقت یورپ کي ایک طاقتور حکومت تھي) ایک سفارتي وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اُس عہد کا مشہور مدبر ڈومینکو ٹریویزان تھا - یہ سفارت مصر پہنچي ' سلطان مصر کے دربار میں باریاب ھوئي ' اور ایک کافي عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئي - سفارت کا سکریٹري وینس کا ایک امیر جاکر باکاني نامي تھا - اِس شخص نے واپسي کے بعد اپنے سفر کي یاد داشتیں سفر نامہ کي صورت میں مرتب کرلیں' اور وہ تمام قلمي تصاویر بھي شامل کردیں جو سلاطین و امراء مصر کي اُس نے طیار کي تھیں - سفر نامہ کچھہ عرصہ تک وینس کے سرکاري کتب خانہ میں محفوظ رھا - پھر سنہ ١٥٣٥ع میں سفارت کے سفر سے تقریبا بائیس برس بعد' حکومت نے اُسے سرکاري مطبع میں چھپوا کر شائع کردیا - اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھہ وہ تمام تصاویر بھي چھاپي گئي تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں -

(سفرنامہ کي اھمیت)

یہ سفر نامہ في الحقیقت ایک نہایت قیمتي تاریخي شہادت ھے - یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کي ایک اسلامي حکومت کے اُن چشم دید حالات کا ذخیرہ ھے جن کا علم کسي دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا - مورخ اور سیاح میں یہي فرق ھے ' اور اسي لیے مورخ کي کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفر نامہ کا بیان قیمتي ھوتا ھے - مورخ کي نظر جزئیات پر نہیں جاتي - وہ صرف علمي ترتیب بیان کے ساتھہ بڑے بڑے واقعات جمع کردیتا ھے - لیکن سیاح زیر سیاحت شہر کے ایک ایک کوچہ کي سیر کرتا ھے ' اور ایک ایک جزئي معاملہ میں دلچسپي لیتا ھے - وہ بسا اوقات بہت سي ایسي جزئیات بیان کردیتا ھے ' جن سے

تاریخي مسائل کي عظیم کلیات طیار کرلي جاسکتي هیں - هندوستان کے عہد تغلق کي متعدد تاریخیں خود اُسي عہد میں یا اس کے بعد لکهي گئي هیں ' لیکن ابن بطوطه کي زباني همیں جیسي چلتي پهرتي تصویر اُس عہد کي نظر آجاتي هے ' وہ برني اور فرشته کے صفحات پر نظر نہیں آسکتي !

(سفرنامه کا عہد)

اِس کے علاوہ اُس عہد کي مخصوص اهمیت نے بهي اس سفر نامه کي قدر و قیمت بڑها دي هے - یه وہ وقت تها ' جب في الحقیقت دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پہلي کروٹ بدل رهي تهي - مشرق کا دور اقبال رو به تنزل تها ' اور یورپ کا عہد عروج طلوع هو رها تها - اسپین میں اسلامي عہد تمدن کا آخري نقش قدم بهي مٹ چکا تها ' اور غرناطه میں مسلمانوں کا قتل عام هو رها تها - یورپ اور مشرق بعید کي راہ تجارت بهي ایک نئے انقلاب کي طیاریاں کر رهي تهي ' اور پرتگالیوں کے بیڑے هندوستان کي بحري راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانه هو رهے تهے - ٹهیک ٹهیک یهي زمانه تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الاثر زمانه هے ' جب واسکو ڈي گاما نے ایک عرب معلم کے ذریعه راس امید عبور کرکے سواحل مالابار کا رخ کیا تها ' اور اس ایک واقعه نے تمام دنیا کي سیاسي اور اقتصادي عظمت کي تاریخ پلٹ دي تهي !

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اِس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے هیں - مختصر لفظوں میں اُن کي توضیح همارے لیے بهي ضروري هے - کیونکه اس سے وقت کے بعض اهم تاریخي حالات پر روشني پڑیگي -

لیکن قبل اسکے که مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجه هوں ' اُس عہد کے اُن سیاسي و تجارتي تعلقات کي مختصر تاریخ بیان کردینا ضروري هے جو یورپ اور مصر میں قائم تهے -

صلیبي لڑائیوں کا سلسله تیرهویں صدي مسیحي تک جاري رها - یورپ کا آخري صلیبي حمله وہ تها ' جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تها - اس کا خاتمه منصورہ کي لڑائي پر هوا جس میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کرلیا - اسکے بعد سلطان بیبرس ' سلطان منصور قلاؤن ' اور ملک اشرف خلیل ' یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا هوے ' اور پے در پے جنگوں کے بعد سنه ۱۲۹۰ میں تمام بلاد شام سے صلیبي خارج کردیے گئے - آخري جائے پناہ جو انکے هاتهه باقي رهگئي تهي ' عکا کا ساحلي شہر تها - اسي کو انہوں نے اپني مشرقي تجارت کا برزخي محل قرار دیا تها - لیکن یه بهي سنه مذکور میں انکے هاتهه سے نکل گیا - اسکے بعد کچهه عرصه تک تخت مصر اپنے اندروني مناقشات میں مشغول رها - لیکن سنه ۱۳۴۰ - میں جب ملک الناصر کي حکومت استوار هوئي ' تو اُس نے محسوس کیا که یورپ کے صلیبي ولولے اس وقت تک فرو نہیں هو گئے هیں - وہ رهکر اس طرح کے واقعات ظہور میں آتے رهتے هیں جن سے اُنکي معاندانه سرگرمیوں کا پته چلتا هے - چنانچه اس نے حکم دیا که شام اور مصر سے تمام یوروپین تاجر اور یوروپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں - اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علائق منقطع هو گئے -

سلطان، ملک الاشرف قانصوہ غوري
(آخري مملوک سلطان مصر)

یهي وہ صورت حال هے جس نے یورپ کے دو مختلف تجارتي حلقوں میں یه خیال پیدا کر دیا تها که قدیم عرب جغرافیه نویسوں اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحري راسته ڈهونڈہ نکالیں اور مصر کے محتاج نه رهیں - چنانچه کولمبس نے بحر اطلانطک میں عرب روبه جاکر ' مشرق کي جهت سے هندوستان پہنچنا چاها ' اور پرتگالي بیڑوں نے افریقه کے گرد طواف کرتے هوے بحر هند کا نقطۂ اتصال دریافت کرنا چاها - کولمبس هندوستان کي جگه امریکه پہنچ گیا - لیکن بر تام دیاز نے سنه ۱۴۸۶ - میں راس امید کا سراغ پا لیا - پهر سنه ۱۴۹۷ - میں واسکو ڈي گاما اسے عبور کر کے مالا بار پہنچ گیا !

بهر حال تقریباً نصف صدي تک مصر اور یورپ کے علائق (بلکه کہنا چاهیے مشرق اور یورپ کے علائق کیونکه تمام مشرق اور یورپ کے تجارتي علائق مصر هي کے ذریعه تهے) منقطع رهے - یه صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تهي - اُسکے تمام بازار بے رونق هو گئے - بڑي بڑي منڈیاں بند هو گئیں - یورپ اُس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسي طرح محتاج تها - جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج هے - بے شمار روز مرہ کي ضرورتوں کي مصنوعات تهیں ' جو مشرق هي سے جاتي تهیں اور یورپ کے هر امیر و غریب گهر میں برتي جاتي تهیں - اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتي قحط کي مصیبت پیدا هو گئي - یه صورت حال دیکهکر یورپ کي تمام بڑي بڑي حکومتیں مجبور هوئیں که کسي نه کسي طرح مصر کا بند دروازہ پهر کهلوایا جائے - ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کي جمهوریت تهي - یه اُسوقت یورپ کي بحري تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تهي - حکومت وینس نے پے در پے سفارتیں بهجوائیں - عثماني اور صفوي حکومتوں کو درمیان ڈالا ' قیمتي تحائف سے لبریز جہاز پر جہاز بهیجے ' پوپ کي طرف سے بهي پیام امن و صلح بهجوایا گیا - یورپ کي تجارت کے کهل جانے میں مصر و شام کے وطني تاجروں کا بهي عظیم الشان نفع تها ' اِسلیے اُنهوں نے بهي کوششیں کیں - غرضکه ایک مدت کي سعي و تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتي اور دوستانه تعلقات پهر از سر نو قائم هو گئے -

یهي زمانه هے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتي مرکز بن گیا تها - هندوستان اور یورپ کي تجارتي کڑي یہیں آکر ملتي تهي - اُس کے باشندوں کي خوشحالي اور تاجروں کي شاهانه دولت کے افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کي طرح سنائے جاتے تهے - یورپ میں عام طور پر قاهرہ کا نام " قاهرہ عظیم " تها - یعني

Le Grand Caire ' جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے -

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یہ ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم اُن واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ہیں -

سنہ ۱۵۰۹ - ع میں کئی سال کی پادشاہ گردی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصوہ غوری تخت نشین ہوا - اِس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے ' کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہوگئے -

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے' اُس زمانے میں مصر' ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا - سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازراں ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے - وہاں سے وینس' جنیوا ' اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے ملکوں کیلیے حاصل کرلیتے تھے - خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے - یہ سوئز سے لیکر کالی کٹ اور چٹاگاوں تک سفر کرتے رہتے - سنہ ۱۵۰۳ع میں ایسا ہوا کہ واسکو ڈی گاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا - مصری جہازوں سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی - یہ جہاز ہندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رہے تھے - پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا ' ادمی گرفتار کرلیے ' اور جہاز ڈبو دیے -

یہ خبر جب سلطان غوری کو پہنچی تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا - اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یورپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے - لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ " اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئی ہے ' اُس نے اس کار روائی میں جلدی نہیں کی ' اور خیال کیا کہ پہلے اصلاح حال کی کوشش کرلی جاے " چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلی ' فرانس ' اور جنیوا ' جائے' اور ان ملکوں کی حکومتوں کو حکومت پرتگال کی ان زیادتیوں پر توجہ دلائے - یہ مصری سفیر بیت المقدس کی مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا - سفیر پہلے وینیس گیا - حکومت وینیس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے ' جیسے پادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں - پھر جمہوریت کے دسوں ممبر جمع ہوئے ' اور سفیر کے پیام پر غور کیا - سفیر کا پیام یہ تھا کہ " اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نہ کی اور آئندہ مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا ' تو سلطان مصر نے ارادہ کرلیا ہے کہ بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیگا ' اور تمام یورپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیگا " حکومت جمہوریہ نے مصر کی شکایات کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا' لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا ' اس لیے سفیر کو پوپ جولیس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا ' اور اپنے سفرا بھی ساتھہ کر دیے - پوپ نے سفیر سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے ' تو بہت خائف ہوا - وہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نہ تھا - اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانہ کی - اسکے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آ گیا -

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آگئے ' جنکی وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اُٹھا ' اور اصلاح حال کی وہ تمام کوششیں ضائع گئیں ' جو مصری سفارت کے ذریعہ انجام پائی تھیں - اِن حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں ' جنھیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھہ لکھا ہے :

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی - یہ جہاز کالی کٹ سے سوئز واپس جارہے تھے -

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ جزیرۂ روڈس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا - اُنھوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے -

اِسی اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آ گیا - مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی - سلطان مصر کو معلوم ہوا کہ کمال پاشا فوجی سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناطول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ہے - اس نے اپنے تیس جہاز گیلی پولی کی طرف روانہ کر دیے ' تاکہ اِس ذخیرہ پر قبضہ کر لیں - اتفاق سے روڈس کے بحری نائٹوں کے ایک بیڑہ سے اُنکا مقابلہ ہو گیا - مقابلہ میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی' اور کئی جہاز بالکل تباہ ہوگئے -

چوتھے حادثہ کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی ' لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا - عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبہ حالات میں دیکھا اور گرفتار کرلیا - گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی ' تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا - یہ شاہ اسماعیل صفوی کا خط تھا ' جو ٹامس کونٹرین قنصل وینیس متعینۂ اسکندریہ کے نام لکھا گیا تھا - حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیجوا دیا - جب سلطان نے یہ خط پڑھا ' تو اسے معلوم ہوگیا کہ حکومت ایران ' یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے' اور وینیس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلۂ مراسلت جاری ہے -

سلطان مصر کے وزراء

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کردیا ' کہ اُس نے حکم دیا - بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیا جائے ' تمام یورپین قنصل اور تاجر گرفتار کرلیے جائیں' اور آئندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نہ رکھے - اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی

حکم دیدیا تھا ' لیکن سفر نامہ کا مصنف لکھتا ھے کہ " انھوں نے خزائن بیت المقدس کي بڑي مقدار دیکر اپني جانیں بچا لیں "

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کردیا - واسکو ڈي گاما نے اگرچہ ھندوستان کا براہ راست بحري راستہ معلوم کرلیا تھا ' لیکن ابھي اس راہ سے ھندوستاني مال کي آمد و رفت شروع نہیں ھوئي تھي ' اور یورپ کي مشرقي تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا - جونھي مصر کا دروازہ بند ھوا ' یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اس پر بند ھوگیا ھے - ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کي تمام تجارتي منڈیاں بند ھوگئیں ' اور یورپ میں مشرقي مصنوعات کا پھر قحط شروع ھوگیا -

یہ حالت دیکھکر وینیس اور فرانس کي حکومتیں مجبور ھوئیں کہ کسي نہ کسي طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں - وینیس کی یہ سفارت (جس کي سیاحت مصر کي روداد اس سفر نامہ میں قلمبند کي گئي ھے) اسي مقصد سے روانہ کي گئي تھي - قریب قریب اسي زمانے میں فرانس کي سفارت بھي روانہ ھوئي - سفر نامہ میں جا بجا فرانسیسي سفارت کے معاملات کا بھي ذکر کیا گیا ھے ' اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالي نہیں ھے - فرانسیسي سفارت شویلیر کونت اندري کي زیر ریاست بھیجي گئي تھي -

وینیس کي یہ سفارت ۲۳ - جنوري سنہ ۱۵۱۲ع - کو وینیس سے روانہ ھوئي ' اور بے شمار مقامات میں ٹھہرتي ھوئي ' ۲۰ - مئي سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچي -

(سفرنامہ کے تاریخي فوائد)

سفر نامہ اُس عہد کي ملکی اور معاشرتي حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ھے - ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں - ھم مختصراً بعض اھم فوائد کا ذکر کرینگے -

(سلطان غوري اور وزراء کي تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ھے کہ اُسے مصوري میں کافي دخل تھا - اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ھے جو اُس نے سفر نامہ کے ساتھہ شامل کي ھیں - ھم ان میں سے دو تصویروں کي نقل اس تحریر کے ساتھہ شائع کرتے ھیں - پہلي تصویر سلطان قانصوہ غوري کي ھے - دوسري اس کے وزراء کي ھے - مصنف لکھتا ھے " میں نے سلطان سے اُس کي اور اُس کے درباریوں کي تصویر کھینچنے کي اجازت حاصل کرلي تھي "

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کي جو وضع و ھئیت نظر آرھي ھے ' یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھي - سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھي تقریباً ویسا ھي تھا - یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ھوتا تھا ' ایسے باریک کپڑے اور ھلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا ' کہ کوئي غیر معمولي وزن سر پر محسوس نہیں ھوتا تھا - ھندوستان میں یہ بات دلچسپي کے ساتھہ معلوم کي جائیگي کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ھندوستاني ساخت کا ھوتا تھا !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوري جسکي تصویر آپکے سامنے ھے ' دراصل مصر کے چرکسي مملوکوں کا آخري فرمانروا ھے - سنہ ۹۲۲- ھجري مطابق ۱۵۱۶- ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا ' تو تخت مصر پر یہي سلطان متمکن تھا - یہ " مرج دابق " کے معرکہ میں پوري شجاعت اور پامردي کے ساتھہ لڑا ' لیکن بالاخر شکست کھائي ' اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گرکر مارا گیا - اسکے بعد ملک اشرف طومان بائي نے کچھہ عرصہ تک لڑائي جاري رکھي ' لیکن مصر کي آخري لڑائي میں اس نے بھي شکست کھائي ' اور ھمیشہ کیلیے چرکسي مملوکوں کا سلسلۂ حکومت ختم ھوگیا -

سلطان غوري سنہ ۹۰۶- ھجري مطابق ۱۵۰۱- ع میں تخت نشین ھوا تھا - اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمراں رھا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولي اوصاف شاھانہ کي بہت تعریف کي ھے ' اور اسے " حزم رائے اور دقت نظر" میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ھے - مصر کے عام مورخین بھي اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ھیں -

(سقوط غرناطۂ اور مصر)

من جملہ تاریخي فوائد کے ایک نہایت اھم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ھے ' جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجي تھي ' اور جسکي تفصیلات سے مصر کي تمام تاریخیں خاموش ھیں -

اسپین سے مسلمانوں کا آخري اخراج سنہ ۱۴۹۱- ع میں ھوا ھے - یہي سنہ ھے جب تمام اسلامي حکومتوں کي اعانت سے مایوس ھوکر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈنینڈ کے حوالہ کردیا - اسکے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ھوتے رھے ' جنکي کوئي دوسري نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں - غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۂ انکویزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخري حکم سنہ ۱۵۰۹ - میں صادر کیا تھا ' اور کارڈنیل فرانسسکو زي مینس اور فرڈینینڈ ڈي ٹالاویرا نے سرزمین اسپین میں اسلامي تمدن و آبادي کا آخري نقش بھي مٹا دیا تھا - یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وھي زمانہ ھے ' جب مصر میں سلطان محمد بن قائیبائي کے بعد پادشاہ گردي شروع ھوگئي ھے ' اور کئي سال کي طوائف الملوکي کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصوہ غوري کو تخت نشین کیا ھے -

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالي ذکر ھم پڑھچکے تھے - ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ ' فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ھوگیا ' تو اُس نے دو سال کیلیے عارضي صلح کرلي ' اور تمام مسلمان سلاطین عالم کي طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ اُنھیں مسلمانان اندلس کي نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جاے - مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھہ سلطان عثماني اور سلطان مصر سے اعانت کي توقع تھي - لیکن دو سال کي مدت گزر گئي ' اور کسي نے بھي انکي خبر نہیں لي - دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ھے - جب ابو عبد اللہ کي جلا وطني کے بعد اسپین کي حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے ' جو مسلمانوں کي آزادي و حفاظت کیلیے کیے گئے تھے ' اور انکا قتل عام شروع ھوگیا ' تو یہ حالت دیکھکر مراکش اور ٹیونس کے سلاطین مضطرب ھوگئے - انھوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس وفود بھیجے ' اور اُنھیں مسلمانان اندلس کي بے بسي اور مظلومیت پر توجہ دلائي - ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و اُمراء سے مرکب تھی ' قاھرہ بھیجي گئي تھي - یہ سلطان قانصوہ غوري ھي کا زمانہ تھا - تاریخ کے صفحات ھمیں بتلاتے ھیں کہ سفارت قاھرہ پہنچي ' اور

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے - لیکن اسکے بعد کیا ہوا ؟ اس کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی - قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی مال و متاع کے فوائد کا اس درجہ خیال رکھتا تھا ' کہ جب کبھی یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی ' تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کی دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا ' اُس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلیے جو آٹھہ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے ' کیا کارروائی کی ؟

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابو البقاء صالح بن شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو در اصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا ' اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقری نے تصریح کی ہے ' اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتلاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لـكل شئی اذا ما تـم نقصـان
فـلا يغـر بطيب العيش انسـان
أصابها العين فی الاسلام فا رتزأت
حتی خلت منـه أقـطار و بلدان
علی ديار من الاسلام خاليـة
قد اقفرت و لها بالـكـفر عمران
حيث المساجد قد صارت كنائس ما
فيهـن الا نواقيس و صلبـان
بالامس كانـوا ملوكا فی منـازلهم
واليوم فی بلاد الـكـفر عبدان
فلو ترا هم حيارى لا دليل لهـم
عليهـم فی ثـيـاب الذل ألوان
لمثل هذا يذوب القلب من كمد
ان كان فی القلب اسلام و ايمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام مظلوموں کا پیام الغیاث تھا :

يا راكبـين عتاق الخيـل ضامـرة
كانهـا فی مجال السبـق عقبـان
و حاملين سيوف الهنـد مرهفـة
كأنهـا فی ظلام النقـع نيـران
و راتعين وراء البحـر فی دعـة
لهـم باوطانهـم عـز و سـلطان
أعندكم نبـاء من اهل اندلس ؟
فقد سرى بحديث القـوم ركبان
كم يستغيث بنا المستضعفون و هم
قتلی و أسرى فما يهتـز انسان
ما ذا التقاطع فی الاسلام بينكم
و انـتـم يا عبـاد الله اخـوان
الا نفوس أبيـات لها همـم ؟
أما علی الخيـر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب اُن مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابو البقاء کے " خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے ' ہندی تلواروں کی چمک دمک سے انکے ہاتھہ شعلہ بار رہتے تھے ' اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے تھے " ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہانتک مصری حکومت کا تعلق ہے ' اس سفر نامہ سے بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں ' جو اس وقت تک تاریکی میں تھیں - بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے - سفر نامہ کا مصنف اُن حالات کی تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے ' لکھتا ہے :

" یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موروں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا ' اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سر زمین صرف مسیحیوں ہی کیلیے مخصوص ہوگئی تھی - یہ حالت دیکھکر مراکش ' تیونس ' اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے ' تاکہ اسپین کے مقابلہ میں انکی مدد کی جاے ' اور انہیں اس قابل کر دیا جاے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلیے حاصل کر لیں - جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے اُن کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی - پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلیے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلیے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے ' اور یورپ کے تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دے - لیکن پھر جب اس کارروائی کے نتائج پر نظر ڈالی ' تو اُس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے خلاف ہوگا - اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی - شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کو خبر ملگئی کہ اُمراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر اُبھارنا چاہتے ہیں - انہوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے - اس سفیر کا نام کونٹ پیٹر ڈینکر تھا - یہ اسکندریہ پہنچا ' اور فلپ دی پیرینٹز کے یہاں اُترا جو اُس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا - قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی ' اور درخواست کی کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانۂ راہداری مرحمت ہو "

" سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی ' تو اُس نے امراء و علماء سے مشورہ کیا - علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کر چکے تھے ' اسلیے قدرتی طور پر اسپین کے خلاف انکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے - انہوں نے بالاتفاق یہ راے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں - اسے واپس کر دیا جاے - سلطان نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا ' اور سفیر کیلیے پروانۂ راہداری نہیں بھیجا -

لیکن ساتھہ ھي صاف لفظوں میں انکار بھي نہیں کیا - جب کبھي قنصل کي جانب سے عرضداشت پہنچي ' کسي نہ کسي طرح ٹالدیا گیا " ۔

" لیکن کچھہ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ھے - یہ مصلحت کے خلاف ھوگا کہ حالات نے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب براري کا پیدا کردیا ھے ؛ اُسے ضائع کردیا جائے - چنانچہ اُس نے اسپیني سفیر کے لیے پروانۂ راهداري بھیجوا دیا - وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ - جنوري سنہ ۱۵۰۲ع - کو قاهرہ پہنچا - قاهرہ میں سرکاري ترجمان اُس کے استقبال کے لیے موجود تھا - حسب معمول شاهي مہمانسرائے میں اُتارا گیا - اور ایک هفتہ کے بعد دربار شاهي میں پیش ھوا "

" اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقي فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا ؛ وہ اُس کي سیاسي مہارت اور شاهانہ حکمت عملي کا بہترین نمونہ ھے - وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہین کرتا تھا ' جو قدرتي طور پر مسلمانان اسپین سے همدردي رکھتے تھے اور اُن کي حمایت و اعانت کے دل سے خواهشمند تھے - دوسري طرف اس کے لیے بھي طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزي کے خطرات میں مبتلا ھو ' اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے - پس اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ' جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھي شکایت کا موقعہ نہیں ملا - دوسري طرف یورپ سے بھي اچھے تعلقات قائم ھو گئے - اُس نے اسپیني سفیر کو پہلي مرتبہ بر سر دربار بلوایا - اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے - جب اُس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا ' تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اُس کا سلام قبول کرنے سے انکار کردیا ' اور کہا ' میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھہ ظالمانہ سلوک کیا ھے اور جس کي حکومت میں اِس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ھے - لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کي ' اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوري بشاشت و مرحمت کے ساتھہ قبول کرلیا ' بلکہ اُس کے جواب میں اپني جانب سے بھي دوستانہ تعلقات کا پوري طرح یقین دلایا - اس کے بعد سفیر اور سلطان میں اور بھي کئي پوشیدہ ملاقاتیں ھوئیں - بالآخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ھو گیا - یعنے سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاهدہ کرلیا ' اور کچھہ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھي از سر نو معاهدات کي تجدید ھو گئي - مراکش کا وفد کئي سال تک قاهرہ میں پڑا رہا - آخر مایوس ھوکر واپس چلا گیا "

اس بیان پر کسي اظہار رائے اور بحث کي ضرورت نہیں ھے - جو معاهدہ اسپین اور سلطان غوري میں اس سفارت کے ذریعہ ھوا تھا ' اور سفارت نے جو تحریر سرکاري طور پر سلطان کے سامنے پیش کي تھي ' اس کا اصلي نسخہ اِس وقت تک اسپین کے شاهي کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ھے -

مذاکرۂ علمیہ

قدماء کی مفقود صنعتین

یہ مسلم ھے کہ قدیم قومیں بہت سي ایسي صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ھو چکي ھیں - حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں اُن پر نہایت دلچسپ بحث کي ھے - وہ لکھتا ھے :

بعض قدیم مصري قبروں میں قرمزي رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ھے - علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا ؟ بیان کیا جاتا ھے کہ پندرھویں صدي میں چینیوں کو اِس صنعت کا طریقہ معلوم تھا - خوش قسمتي سے اب سر هربرٹ جیکسن نے اِسے معلوم کرلیا ھے ' اور لندن کي رائل سوسائٹي کے سامنے پیش کرکے اُس کي تصدیق بھي حاصل کرلي ھے -

یوناني اب سے دو هزار برس پہلے بھیڑ کي اون سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے - یونان کي بربادي کے بعد یہ صنعت مفقود ھوگئي - یہاں تک کہ انیسویں صدي کے علماء اس کا کچھہ پتہ نہ لگا سکے - یہ روغن " لانولین " کے نام سے مشہور ھے -

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے ' جو دیوار پر لگاتے ھي فوراً خشک ھوجاتا تھا - صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ع میں ایک انگریز رنگ ساز نے از سر نو معلوم کرلیا -

روم کے صناع ایک ایسا شیشہ بھي بناتے تھے جو لچکدار ھوتا تھا - سنہ ۱۶۱۲ ع میں فلورنس کے ایک باشندے نے اِس شیشے کا ذکر کیا ھے - وہ لکھتا ھے " شہنشاہ تیبرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا - مگر اب یہ راز گم ھوچکا ھے - اگر یہ همیں معلوم ھوجائے ' تو شیشہ کي قیمت ' چاندي سونے سے بھي زیادہ ھو جائیگي "

لیکن عین اُسي زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھہ رہا تھا ' ایران میں یہ صنعت موجود تھي - چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ ع میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھہ جام بھیجے تھے - یہ جام کسي طرح بھي ٹوٹ نہیں سکتے تھے !

یہ راز صنعت بالآخر گم ھو گیا - یہانتک کہ کئي صدي کے بعد اب پچھلے سال ایک آسٹرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کر لیا ھے - اِس شیشے کا خاصہ یہ ھے کہ شیشے کي طرح شفاف ھوتا ھے ' مگر لچک اِتني زیادہ ھوتي ھے کہ ایک پورا قاب انگلي پر رکھہ کر تہہ کرلے سکتے ھیں ! قاب تہہ کر لینے کے بعد گیند کي طرح گول ھو جاتا ھے - یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جائے تو ٹوٹتا نہیں ' بلکہ اس طرح اچھلتا ھے ' جیسے ربڑ کا گیند اچھلتا ھے -

خیال کیا جاتا ھے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگي - اس سے موٹریں بنائي جائینگي ' اور اُنکے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ھو جائے گا -

اسي طرح قدیم زمانے میں تانبے کے اُسترے بنائے جاتے تھے جو لوھے کے اُستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے - مدتوں کے بعد اب معلوم ھوا ھے کہ امریکا کے ایک قیدي نے یہ صنعت زندہ کرلي ھے - اُسے قید سے رہا کر دیا گیا ھے تاکہ اسے مکمل کر لے -

بريد فرنگ

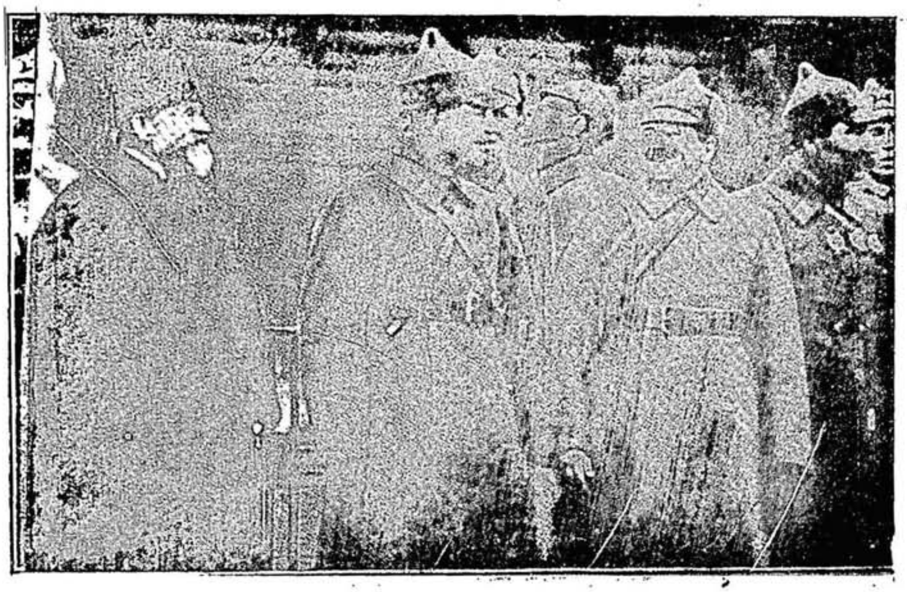

روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قارئین الهلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کي سوویت حکومت نے آخري انقلاب روس کي دسویں سالگرہ منائي تھي' اور اس تقریب کو "کمیونیزم کي دہ سالہ جوبلي" سے تعبیر کیا تھا - اس تقریب میں شرکت کیلیے بعض هندوستاني رهنماؤں کو بھي دعوت دي گئي تھي' لیکن اُن میں سے کوئي شخص بھي نہ جا سکا - وقت کي کمي' حالات کي ناموافقت' اور زیادہ تر هندوستاني حکومت کے پروانۂ راهداري دینے کے اشتباہ سے کسي شخص نے قصد هي نہیں کیا -

اب یورپ کي پچھلي ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کي نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آ گئي هیں - معلوم هوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا - نہ صرف تمام روسي صوبوں سے' بلکہ دنیا کے دور دراز حصوں سے بھي نمایندوں کي بے شمار تعداد شریک هوئي تھي - وسط ایشیا کي تمام حکومتوں اور قوموں کے وکلاء موجود تھے - قفقاز اور ارمینیا نے علانیہ اسمیں حصہ لیا تھا - ایران سے بھي ایک وفد گیا تھا - چین اور جاپان کے بھي نمایندے موجود تھے -

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئي دن تک متصل جاري ہے - سب سے زیادہ اهم اور عظیم اجتماع بین الاقوامي جلوس کا تھا جس سے جوبلي کي تقریب کا افتتاح هوا - اس جلوس کي عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکے شرکاء کي تعداد دس لاکھہ آدمیوں سے بھي زیادہ تھي' اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسکے گذرنے میں لگ گیا تھا - جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک هوے تھے' انھوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دي - جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارہ سے شروع هوا تھا' اور دوسرا سرا کئي چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم هوا تھا !

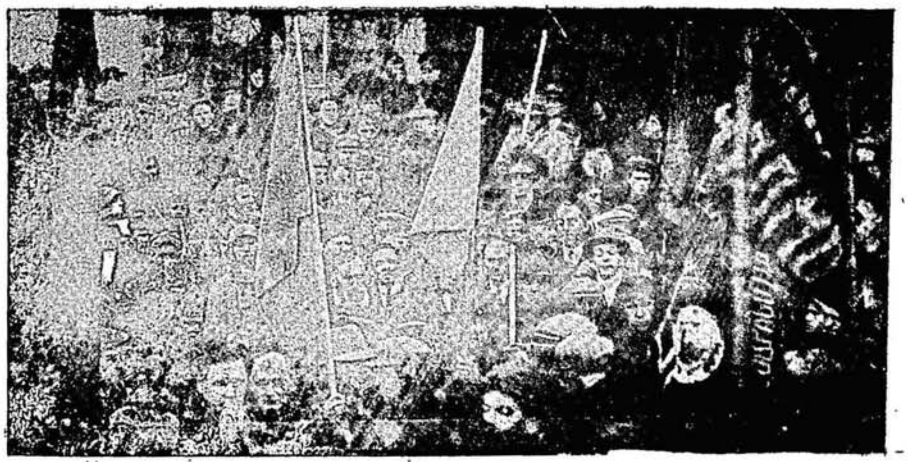

اس موقعہ پر یہ بات یاد رهے کہ موسکو کي آبادي عرض کي جگہ زیادہ تر طول هي میں واقع هوئي ہے - وہ دنیا کے اُن شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لنبے واقع هوئے هیں -

جلوس کے بعد سوویت کي بین الاقوامي مرکزي

مجلس کا اجلاس شروع هوا - ممکن نه تها که کوئي عمارت اتنے بڑے اجتماع کي گنجایش رکهتي - اس لیے ایک کهلے میدان میں منعقد هوا - اجتماع کئي ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا تها ' اور هر ٹکڑے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمه رکها گیا تها - لینین کا ایک بہت بڑا مجسمه میدان کے دروازه پر بهي نصب کیا گیا تها ' جو روس کے ایک بہت بڑے صناع نے سنه ۱۹۲۴ میں بنایا تها - یه ایک بہت بڑے قطر کا کرهٔ ارضي هے ' اور اُس کے قطبي حصه پر لینین کهڑا هے - مجسمه کي یه صورت اس رمز کي طرف اشاره کرتي هے که کمیونزم کي دعوت تمام کرهٔ ارضي کي سرمایه پرستي پر غالب آ گئي هے !

هم نے صفحات الہلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا هے - پہلا مرقع اُس موقعه کا هے جب سوویت کے اعلی حکام جلوس میں شریک هونے کي طیاري کر رهے هیں - بائیں جانب سیاه استر خاني ٹوپي اوڑهے هوئے صدر سوویت کهڑا هے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا هے - اس کے ساتهه جدید کمیونسٹ فوج کي وردي پہنے هوئے ' سوویت ارکان حکومت هیں -

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصه هے - اِس میں زیاده تر یورپ اور انگلستان کے نمایندے هیں - اگر آپ بائیں جانب غور سے دیکهیں تو مسٹر سکلت والا کا چهره صاف دکهائي دے رها هے -

---

ترکی کی نسوانی تحریکات

—۰۰٥٥٠—

الہلال نمبر (۲۳) میں عنوان مندرجهٔ صدر سے هم ایک فرانسیسي اهل قلم کے مقالات کا خلاصه درج کر چکے هیں - اب اِس سلسلهٔ مقالات کي تیسري قسط بهي شائع هوگئي هے - اِس میں زیاده تر ترکي کي موجوده نسواني تحریکات اور اُنکے مقاصد پر نظر ڈالي هے -

بلاد اسلامیه کے جدید معاشرتي تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع هوتے رهتے هیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کي معتدل اور حقیقي نوعیت پیش کرنے سے قاصر رهتے هیں - عموماً ایسا هوتا هے که مضمون نگار کوئي خاص

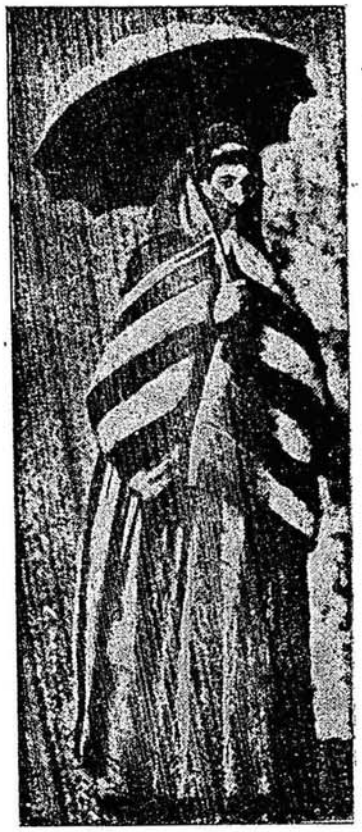

جدید ترکي خواتین
سنه ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک !

نقطهٔ خیال رکهتا هے ' اور اُسي کے مطابق صورت حال کا نقشه کهینچنا چاهتا هے - مثلاً جب کبهي موجوده عهد کا کوئي یورپین سیاح ترکي اور مصر کي سیر کریگا ' اور وهاں کي جدید معاشرتي تحریکات پر نظر ڈالیگا ' تو چونکه پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطهٔ خیال قائم کر چکا هے ' اسلیے تغیر و اصلاح کي هر حرکت کو اُسي روشني میں دیکهیگا ' اور مجموعي حیثیت سے ایک ایسي تصویر طیار کر دیگا ' گویا ترکي اور مصر کي جدید جماعتوں نے به یک دفعه اراده کر لیا هے که مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار هو جائیں !

دوسري طرف بعض مسلمان اهل قلم هیں ' جو هندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کي رعایت کرني چاهتے هیں - اسلیے پسند نهیں کرتے که نئي تحریکات کي حد سے بڑهي هوئي آزادانه صورت اُنکے سامنے عریاں هو - وه همیشه ان تحریکات کے متعلق ایسي مبهم اور گول مول باتیں کهه جاتے هیں ' جن سے صورت حال مشتبه هو جاتي هے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے هیں که ترکي اور مصر کي جدید تحریکات کي نسبت جو کچهه کها جاتا هے ' صداقت سے یک قلم خالي هے -

جدید ترکي نسبت کئي سال سے ایسا هي هو رها هے - ایک طرف وه بیانات هیں جو دنیا کو یقین دلانا چاهتے هیں که جدید ترکي اپنے آپکو مسلمان کهنے کے لیے بهي طیار نهیں - دوسري طرف وه خوش عقیده مسلمان هیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑهکر خیال کرنے لگتے هیں که ترکي کے نئي معاشرتي انقلاب کي نسبت جو کچهه کها جاتا هے ' محض یورپین نامه نگاروں کا سیاسي پروپگنڈا هے - حقیقت سے اسے کوئي لگاؤ نهیں -

اس فرانسیسي مقاله نگار کي یه خصوصیت قابل ذکر هے که اِس نے اپنے تاثرات کو کافي حد تک اس طرح کي بے اعتدالیوں سے محفوظ رکها هے ' اور کوشش کي هے که بلاد اسلامیه کي موجوده انقلابي ذهنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتهه مطالعه کیا جاے -

هم اس مقاله کا مختصر خلاصه یہاں درج کرتے هیں ' تا که مسلمانان هند جدید ترکی کے فکري تغیرات صحت کے ساتهه معلوم کرسکیں -

مقاله نگار لکهتا هے :

"گذشته دس سال کے اندر ترکي کي معاشرتي زندگي میں جو انقلاب رو نما هوا هے ' اُس کا اندازه کرنے کے لیے همیں نوجوان ترک عورت کي نئي تاریخ حیات پر نظر ڈالني چاهئے -

سنه ۱۹۰۸ع میں جب دستوری انقلاب ہوا ' تو تمام قسطنطنیه میں ایک مسلمان عورت بھی ایسی نہیں تھی جسے قسطنطنیه کی سڑکوں پر بغیر یشمک (ہلکے نقاب) کے نکلنے کی جرأت ہو - لیکن پانچ سال کے اندر ہی اندر یه حالت ہوگئی که فی صدی پچھتر نوجوان لڑکیاں ایسی تھیں جنہوں نے یشمک کی جگه ایک ایسا بالائی لباس اختیار کرلیا تھا جو اُن کے چہرہ کے کناروں کو ڈھانپ لیتا تھا ' اور درمیانی حصه بالکل کھلا رہتا تھا - چند سالوں تک یه وضع نہایت مقبول رہی - بڑے بڑے پاشاؤں کے گھرانے میں بھی اسی وضع کا لباس ڈرائینگ روم کی ملاقاتوں کے لیے پہنا جاتا تھا - لیکن سنه ۱۹۱۴ع میں جب عالمگیر جنگ شروع ہوئی ' تو بہت سی نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اُکتا چکی تھیں - ایک بڑی تعداد ایسی لڑکیوں کی موجود تھی جس نے اسے ترک کردیا تھا - وہ اپنے سروں کو ایک خاص طریقه سے اچھی طرح ڈھانپ لیتیں ' لیکن چہرہ ڈھکنے کے پاس پوشیدہ نہیں کیا جاتا - وہ پوری طرح کھلا رہتا تھا "

" جہاں تک عام لباس کا تعلق ہے ' ترکی کی شہری عورتیں ' خصوصاً دارالحکومت کی عورتیں ایک عرصه سے یوروپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کرچکی تھیں - لیکن سنه ۱۹۰۸ع تک ایسی عورتیں زیادہ نه تھیں ' جنہوں نے کامل طور پر یوروپین لباس اختیار کر لیا ہو - عموماً اس طرح کا لباس پہنا جاتا تھا ' جو یوروپین لباس ہونے پر بھی بعض مشرقی قسم کی خصوصیات رکھتا تھا - سنه ۱۹۰۸ع کے انقلاب کے بعد یه خصوصیات رخصت ہونے لگیں - یہاں تک که سنه ۱۹۱۳ع میں دار الحکومت کے تمام گھرانوں میں نئی نسل کی لڑکیوں نے کامل فرانسیسی لباس اختیار کرلیا - ترکی زبان میں بھی لباس اور فیشن کے ترکی رسائل اُسی طرح نکلنے لگے ' جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے ہیں - دارالحکومت سے باہر بھی تمام بڑے بڑے شہروں میں کامل قسم کا یوروپین لباس رائج ہوگیا - گذشته سال مجھے ایک دوست نے جو عرصه سے سمرنا میں مقیم ہے ' بتلایا تھا که سمرنا کے ترک گھرانوں میں پیرس کے تازہ ترین زنانه فیشن سے ویسی ہی دلچسپی لی جاتی تھی ' جیسی دلچسپی یورپ کے کسی شہر میں لی جاسکتی ہے - فرق صرف اتنا تھا که پیرس کا جو فیشن ایک ہفته کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا ' اُسے سمرنا تک پہنچتے پہنچتے کئی ہفتے لگ جاتے تھے ! "

" تاہم یه ساری تبدیلیاں گھر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوتی رہیں - یه ممکن نه تھا که کوئی ترک عورت گھر سے باہر بھی اُسی لباس میں نکل سکے ' جس لباس کے اندر وہ گھر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتی تھی - باہر نکلنے کیلیے ایک خاص وضع کا بہت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تھا ' جسے کمر کے پاس پیٹی سے کس لیا جاتا تھا ' اور وہ ہمارے ملک کے پادریوں کے گاؤن کی سی ہیئت پیدا کرلیتا تھا - فرغل پہن لینے کے بعد نه صرف جسم ہی کامل طور پر چھپ جاتا تھا ' بلکه لباس کی تمام آرائش بھی پوشیدہ ہو جاتی تھی - امیر ہو یا غریب ' جوان ہو یا بوڑھی ' تعلیم یافته ہو یا غیر تعلیم یافته ' لیکن گھر سے باہر ہر ترک عورت ایک ہی طرح کے لباس میں نظر آئیگی - سنه ۱۹۱۲ - میں جب نوجوان

سنه ۱۹۱۳ - میں ترک خواتین کی ایک انجمن کا اجلاس

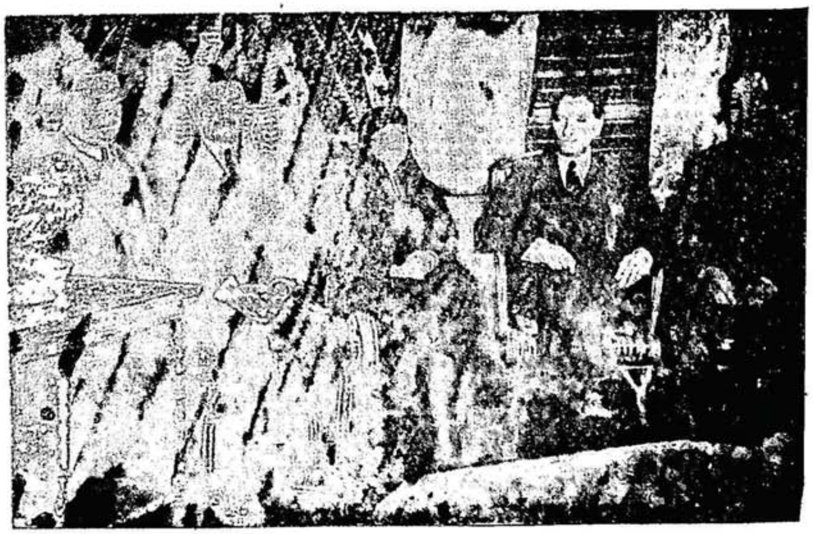

غازی مصطفی کمال پاشا اور اُنکی سابق بیوی لطیفه خانم

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا ' اور غریب خاندانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور ٹیلیفون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں ' تو اُس وقت بھی اُنہیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی تھی ' کہ یورپین عورتوں کی طرح اپنے آرائشی لباس میں باہر نکلیں - دولت مند گھرانوں کی بے شمار عورتیں ہیں ' جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتی ہیں ' اور اپنی بالوں کی آرایش اور لباس کی دیکھہ بھال کیلیے بیش قرار تنخواہوں پر فرانسیسی خادمائیں رکھتی ہیں ' تاہم وہ بھی جب گھر سے باہر نکلتی ہیں ' تو اپنا حسین اور فیشنیبل فرانسیسی لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتی ہیں - یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں ہوتا ' جب تک کہ وہ گھر کی چاردیواری کے اندر واپس نہ آ جائیں "

اسکے بعد مقالہ نگار نے اُن تغیرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ کے بعد جدید قومی تحریک کے ساتھہ ساتھہ ظہور پذیر ہوئے ' اور جو اب نہایت تیزی کے ساتھہ عام ہو رہے ہیں :

" اِن تغیرات میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی معاشرتی ذہنیت ہے - یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اُنہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت بڑی مسافت طے کرلی ہے - سنہ ۱۹۱۴ع کی نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی عورتوں سے بالکل مختلف قسم کی ذہنیت رکھتی تھی ' تاہم اُس میں موجودہ عہد کی وہ بے خوف روح نہیں پائی جاتی تھی جو قدامت کے دائرۂ اثر سے پوری طرح آزاد ہو چکی ہے - اُس میں ایک ایسا محسوس تذبذب اور اضطراب باقی تھا ' جس کے اندر روح قدامت کی ایک دھندلی سی تصویر نظر آجاتی تھی - لیکن سنہ ۱۹۲۷ع کی ترقی یافتہ ترک عورت کامل معنوں میں آزاد خیال ہے - اُس کا تذبذب مٹ چکا ہے - اُس میں اضطراب فکر کی جگہ عزم اور فیصلہ پیدا ہوگیا ہے - وہ وقت کی روح سے لبریز ہے ' اور صرف مستقبل ہی کی طرف نگاہ رکھتی ہے - بلا شبہ یہ صورت حال اس وقت تک صرف اونچے طبقہ ہی میں محدود ہے - متوسط طبقہ کی عورتیں عموماً پچھلی حالت ہی میں باقی ہیں - لیکن اگر ترکی کی موجودہ حکمران جماعت کو فوری زوال پیش نہ آگیا ' تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل جائیگی "

" اب نو جوان عورتیں وہ پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی ہیں " جو باہر نکلنے کیلیے اُنکی لازمی پوشش تھی - اسکی جگہ ایک ایسا لباس وضع کرلیا گیا ہے جو گھر اور گھر سے باہر ' دونوں حالتوں میں کام دیسکتا ہے - گزشتہ سال انگورہ میں یہ دیکھکر مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور مجلس (پارلیمنٹ) کی گیلریوں میں بیٹھی نظر آتی تھیں - بعد کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے ' اور اعلی طبقہ کی کوئی ترک عورت ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل استعمال کرتی ہو "

جنگ سے پہلے ایک زنانہ اسکول کی ترک لڑکیاں

خالدہ ادیب خانم

عہد حاضر کی مشہور اہل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

تاریخ و عبر

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رخ

(۲)

تین واقعات میں سے تیسرا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیانوالہ باغ کا قتل عام ہے۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے دماغوں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ جانکاہ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اسوقت تک فراموش نہیں کرسکے ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈائر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہے) فساد قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کر دیئے تھے۔ اور عیسائی گرجوں کی قیامگاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلیانوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈائر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تقریر کر رہا تھا۔ ڈائر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ قریبا ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کارتوس ختم ہو گئے تو یہ قتل عام خود بخود بند ہو گیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ڈائر نے مارشل لا کی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو جو شہادت دی تھی، اس سے اُسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا۔ کیونکہ وہ خود مانتا ہے کہ جبرناک سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا تھا!

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس شام کو کوئی شخص جلیانوالہ باغ کے مردوں اور زخمیوں کے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا، اور نہ ہی فوجی حکام نے ان کی طرف توجہ کی۔ میں اسوقت تمام خوفناک واقعات از سر نو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ انگریز ڈائر کے فعل کے خلاف اظہار نفرین کرتے، انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی تائید کی۔ اس موقع پر بھی انگریزوں نے ہندوستانیوں سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کردی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبرا گئی لیکن اسے بھی مصلحۃً ڈائر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس وحشتناک واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھکر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کردی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اسنے ایسی عظیم طاقت حاصل کرلی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جرنیل ڈائر کے واسطے ۲۰ ہزار پونڈ جمع کرکے بھیجدیا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے۔ جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈائر کی تائید کرکے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سوچیں گے۔ ہم فوراً ایک معمولی بات پر بھی مشتعل ہو جایا کرینگے جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندے (ڈائر) نے امرتسر میں مشتعل ہو کر قتل عام کر دیا!

غدر کی انگریزی تاریخیں

میں حیران ہوں، میری قوم نے اسوقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے یکطرفہ افسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہے؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر زہر اگلا ہے کہ کوئی انگریز پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے انگریز مورخوں نے بعض جرنیلوں کی شجاعت و ہمت کی اس قدر تعریف کی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فاتحوں کی بھی اس قدر تعریفیں نہیں کی گئی ہوں گی۔ میں بچپن میں نکلسن کا نہایت مداح تھا۔ میں نے اس کی سوانح حیات جو ٹراٹر نے لکھی ہے کئی دفعہ پڑھی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسمیں اصلی نکلسن کا خاکہ نظر نہیں آسکتا۔ اس کی موہوم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپا دی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت دکھائی جاتی۔ اسمیں شک نہیں، نکلسن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے زمرہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہے، سر جارج فارسٹ نکلسن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ ایک تندخو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اُسنے لارنس کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان افسانوں کو جو نکلسن کے متعلق مشہور تھے، بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیولاک اور ہاڈسن کے کارہائے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرأت و سنجیدگی کے ساتھ درج کردی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہے:

"بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیکر شہر سے بھاگ گئے"

فارسٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب ڈھانپ لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لدھیانہ کی پلٹن کبھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسنے فیروزپور کی پلٹن کو اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالف بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس پلٹن کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا"

مجھے یقین ہے کہ مورخین کی آئندہ نسل اس شخص کو بے شمار دیدہ دانستہ مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرأت نہ کریگی!

برطانی راست بیانی!

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں مشہور کر رکھی تھیں کہ جرمنی کے سپاہیوں کو انکے افسر مار مار کے میدان میں بھیجتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈرپوک تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات نے جھوٹی ثابت کردی۔ جرمنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ انکے دشمن بھی عش عش کر گئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کی تضحیک کی جائے، اور انکے خلاف نفرت کا جوش پیدا کر دیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریزوں نے اس قدر جھوٹے افسانے تاریخوں میں درج کر ڈالے کہ انھوں نے اصلی واقعات پوشیدہ کر دیئے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غدر کے مورخ کبھی کہیں کسی ہندوستانی کی تھوڑی سی تعریف کر دیتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تقریباً سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر ہیو روز نے (جسنے رانی موصوفہ کو شکست دی تھی) ایک دفعہ کہا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر اور دشمن جرنیل تھی اسنے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انگریز بھی تحسین کئے بغیر نہ رہ سکے"

انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ اسنے لڑائی کے میدان میں اپنی جان دے دی۔ ہندوستانی اسے بجا طور پر ہندوستان کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ ایک دن

ہمیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوگئی تھیں؟ جھانسی میں کئی انگریز اور عورتیں قتل کردی گئی تھیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ رانی نے یہ خونریزی پسند نہ کی ہوگی۔ جب جھانسی فتح ہوگیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ پھانسی دی گئی۔

شہزادہ فیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ بڑا بہادر اور جرار آدمی تھا۔ اسنے دہلی میں ہمارے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے آدمی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہسواری اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک افسانہ بن گیا ہے۔ بعض شعرا نے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے تذکرے کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۶۴ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۸۶۶ء میں وہ عرب میں آخری دفعہ دیکھا گیا[له] کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ کی کتابوں میں درج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند سمجھی جائیں گی۔ وہ داستان میں کسی قدر دل ہلا دینے والی ہونگی!

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ غدر ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر برپا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت تھی اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتار اور غیر محارب جماعتوں کو بھی بلا تمیز قتل کر ڈالنا، کسقدر انسانیت سوز حرکات تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہوکر برسرپیکار ہوجاتا۔ گو یہ وبا زیادہ تر آگرہ کے صوبہ ہی میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے اسمیں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہمیں ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہی لوگوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہوگئے تھے۔

فارسٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر لکھتا ہے:

"۱۰ دن کے اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی مانند غائب ہوگیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کردیا تھا۔ اور عوام الناس نے اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا تھا۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ پھر بھی کوئی ظلم برپا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بسا اوقات نقصان پہنچا تھا"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میرٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے عزتی گوارا نہیں کرسکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے ایما سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دور دور پھیل گیا اور ۲۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اسوقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہوگئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہوگیا تھا۔ جھانسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زیر و زبر کردیئے۔ جھانسی اور کانپور کے حوادث تو بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

اسمیں کچھ شک نہیں، کہ فریقین کے پاس ایسی غلط افواہیں پہنچائی جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہوجاتا تھا۔ مثلاً باغیوں کو یقین دلایا گیا تھا، کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی پر آمادہ ہے، اور اُن کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے فرضی قصے سنائے جاتے تھے جس سے ہمارا جام صبر لبریز ہوجاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے۔ اسوقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات میں بھی ہوا۔ وہاں ایک میم پر حملہ کئے جانے سے تمام انگریز بھڑک اُٹھے اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے تھے جو قابل غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے اہل و عیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ نقصان پہونچا ہو، انکے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ شور واویلا وہ لوگ مچا رہے ہیں جو بڑے آرام سے غدر کے حلقۂ اثر سے دور اپنے اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات کے علاقے سے بہت دور تھی۔ بایں ہمہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف بڑا زہر اگل رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ انکے معاندانہ خیالات امن قائم کرنے میں سدِ راہ ہونگے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں بیکران پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کردیں تو بہت سے انگریز اسے بنظر تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریز اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔ بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں کے مظالم سے بچایا ہے"

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر لگی رہتی تھی لیکن تعجب کی بات ہے کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جو صحت افزا پہاڑی مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے مقیم تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔ علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا پادریوں کی جماعت نے کبھی چیخ و پکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہوتا چاہئے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر متعین تھے جہاں کسی قسم کی بروقت امداد کا بہم پہونچنا تقریباً ناممکن تھا حقیقت یہ ہے کہ مقدم الذکر لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پہاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرزِ معاشرت بالکل علٰحدہ ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یگانگت یا ہمدردی نہیں ہے۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس طرح انکے بھائی بند انگلستان میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے واقعات بھی ولایت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں۔ لیکن اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو اپنے آپ پر کلی اعتماد ہوتا ہے وہ اپنی برادری سے علٰحدہ رہتے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں ہندوستانیوں سے معاشرتی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں

جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہے، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا یا خونی آدمی یا دغا باز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں سے راہ و رسم پیدا کریں تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہوسکیں۔

ایک ناقابل فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں دہشتناک واقعات سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رقیق جذبات قتل و خونریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اوڈوائر بنام سنکرن نائر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

"سوال:- تمھیں اپنے خاوند کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کوچہ کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھے سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاوند بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اسوقت شام ہوگئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاوند کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اُس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاوند کی لاش اُٹھا کر گھر تک پہونچا دے۔ لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاوند کی لاش کے پاس جاگتے گذار دی۔ کیونکہ کتے بڑی تعداد میں ادہر اُدہر منڈلا رہے تھے۔ اور مجھے ہر وقت اُنھیں چھڑی سے بھگاتے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سکھ زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کردی۔ وہاں ایک بارہ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیختا رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اسواسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سندر داس چارپائی لے کر آیا پھر میں اپنے خاوند کی لاش گھر لے گئی"

امرتسر کے حوادث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ غدر کے تاثرات دو پشتوں تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں کسی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں "آیا وہ وفادار اور نمک حلال بھی ہے"؟ ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں۔ اگر وہ ایک نہایت لائق مدبر یا مشہور سیاست داں ہو۔

[له] دوسرا شہزادہ فیروز [illegible] کابل [illegible] (الہلال)

"کیا ٹیگور وفادار ہے؟"

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگور کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اسکی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر پوچھا "کیا وہ وفادار بھی ہے؟" اگر اسوقت سینٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالبًا یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ اسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی سیرت کے متعلق یہ رائے رہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ قبیح فعل امرتسر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کوچہ کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رینگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کوچہ کے بعض باشندوں نے ایک میم پر حملہ کیا تھا۔ شہروں پر ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کرنا بھی اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر لورپول یا مانچسٹر میں فساد ہوجائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مفسدوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کرینگے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کرسکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بم کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں رَوا رکھے جاسکتے ہیں۔ جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

فجیٹ نے ایک کتاب "غدر کی کہانی" میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

"ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم اَمر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اسنے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کردئیے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہمیں اپنے اندرونی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے"

بعض واقف کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یادداشتیں کچھ عرصے کے بعد معدوم ہوجائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے افسانے درج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی اُنھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریقے ہوسکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کردیے جائیں تاکہ آئندہ نسلوں کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا ہمیں چاہئیے کہ ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں دکھائیں اور اپنی طرز تحریر یکسر تبدیل کردیں۔

ساورکار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہے اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کردی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اسمیں غلط واقعات درج کئے گئے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور اُن سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اُٹھا کر دیکھئے ان میں ہمارے خلاف کس قدر زہر اُگلا جاتا ہے۔

خاتمۂ سخن

ہمیں بلیک ہول والا حادثہ بالکل بھول جانا چاہئے جس طرح کہ ہم ستر موپلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مرجانے کے واقعہ فوراً بھول چکے ہیں۔ ہمیں کانپور کے مظالم پر بھی شور مچانا نہیں چاہئے۔ جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگذاریاں فراموش کرچکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانیوں کی زیادتیاں ہر دم یاد رکھیں!

سر چارلس ایچیسن نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسنے اس کے بت کا بھی جو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر استادہ ہے، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حروف کندہ ہیں "کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کروگے۔ یا قلم کے زور سے"؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دو رستے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرلے یا تلوار کے زور سے محکوم رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ آجکل قلم کے زور سے حکومت کی جارہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برہنہ رہتی ہے۔ اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غصہ کی آگ دہکتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رومیش دت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خوفناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبا کو نیل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑھائے جاتے۔ تو پھر انہیں کانپور کے کنوئیں کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اسوقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کردینے کے لئے طیار ہے۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقینًا طیار ہوجائے۔

(مترجمۂ چودہری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد)

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا ازسرنو انتخاب۔ سازشیوں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ترکی تیزانیہ۔

غازی کا ازسرنو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا ازسرنو افتتاح ہوگیا۔ غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے۔ عصمت پاشا بدستور وزیر اعظم رہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہو۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کرکے، صدر مجلس کے سامنے حسب ذیل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط سیادت کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا"

خلق فرقہ سی نے، جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں، اس منصب کے لئے منتخب کرلیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے اُنھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ اُنھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی۔

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اُس خطرے کی مقاومت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اُس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کردوں گا!"

جب غازی قسم کھارہے تھے تو اُنکے ہر جملہ پر تالیوں کا ایک شور بلند ہوجاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلطنتوں کے سفیر بھی تالیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری فضیلت استقامت، اور معصومیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں اُن تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کردی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کردوں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوششیں پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوشش رہے گی کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ بڑی خدمتیں انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور عقلمندی پر قائم ہوئی ہے، اور جسنے گذشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کردی ہے، قوم کی امیدوں اور آرزوؤں کے بالکل

مطابق ہو۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک رہیگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو، ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی رہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم سے ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"عزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اُس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج پر جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"عزیزان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کر دوں۔ قومی وحدت کو قوی کر دوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہے کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ عظیم اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کر دے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ترکی قوم کے ڈکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈکٹیٹر شپ کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہے۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ اِن لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں ہوگی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کر چکا ہوں جو یونان میں پناہ گزین چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ترکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑا دیں۔ پھر سابق خلیفہ عبد المجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔

لیکن اُن کی سازش، بر وقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا۔ مگر اُس کے رفقاء قید ہو گئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ عنقریب اس کا اجراء ہونے والا ہے۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دُنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دولت (۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کوئلہ	۱۵۷۳۰۵۲۷	"	۵۵۵۷۴۳۴۴	"
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۲۲۷۵۲۰۰۰	"
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	"
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	"
تانبا	۵۷۴۴	"	۱۳۳۰۰۰	"
کانسا	۲۰۹۱	"	۱۱۵۰۰۰	"
لوہا	۴۳۳۴۷۰	"	۵۹۸۰۰۰	"
سیسا	۱۱۹۴۸	"	۳۶۳۶۰۰۰	"
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	"	۱۵۷۵۵۰۰۰	"
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	"
یاقوت زرد	۲۵۴۰۰۰	"	۷۸۸۰۰۰	"
شورہ	۳۷۳۰۰۰	"	۵۴۰۷۰۰۰	"
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	"
ٹین	۶۴۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	"

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار ۱۹۲۳ء میں: ۵۳۰۶۲۶ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرنسوال	۲۸۴۰۶۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۲۲
آسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۲۲
کینیڈا	۳۶۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دُنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۲۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دُنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۲۴۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی
انگلینڈ	۹۳ر۴	۹۱ر۵
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵ر۵	۹۳
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۶
فلیپائن	۷۰ر۵	۶۱
فرانس	۹۶ر۵	۹۴

ترکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہو گئے ہیں۔ اِن سے معلوم ہوا کہ آبادی ۱۳،۶۰۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہے۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہو چکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدۂ لوزان قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے مابین سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کر لینے کے بعد کہ ترک اِن سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہے۔ چنانچہ اُسنے مسٹر گرو کو اپنا سفیر بنا کر انگورہ بھیجدیا ہے۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہے اور مختار بک کو سفیر مقرر کر کے واشنگٹن روانہ کر رہی ہے۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۵ء)

	مدراس	بمبئی	بنگال	یوپی	پنجاب	سی پی	بہار اور اڑیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے لڑکے	۱۶۰۷۱۵۵	۷۴۲۰۰۸	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۰۶۲	۳۵۸۲۵۸	۲۴۶۲۵۶	۷۹۷۴۶۰	۱۸۴۱۴۱	۱۴۷۵۱۶
لڑکیاں	۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۵۱۸	۳۰۵۳۶۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۲	۱۹۱۱۶	۶۶۶۸۱	۱۱۹۳۸	۲۸۵۷۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر کے لڑکے	۱۵۰۸۲۹	۱۷۷۲۰۰	۳۵۲۹۰۴	۱۱۰۱۳	۲۳۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۴۸۱۰	۳۰۳۷۱	۱۵۱۲۹۹
لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۶۷	۱۵۶۱۶	۲۰۶۷۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۸۴۷	۳۷۱۷	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں

	کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجینری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلوں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	فی صد تعلیم یافتہ آبادی
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۴	۲	۲۶۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۷۵۵۹۶	....
مردانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	.....
زنانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۶	۲۴۹۷۷	....
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	...	۴۳۳۱۱	۶٫۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	...	۱	...	۲۱۳	۲۶۵	...	۱۲۸۹۲	۷٫۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	...	۱	۵	...	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹٫۵
یوپی	۸	۴۵۱	...	...	۱	۳	۱	...	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۴	۶٫۴
بہار اوڑیسہ	۶	۴۵۲	۱	...	۱	۲	...	...	...	...	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۴۵۷	۵٫۲
پنجاب	۱۱	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	...	...	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴٫۸
سی پی	۵	۵۰	۱	...	...	۱	۱	...	...	...	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۴۲۹۵	۴٫۲
آسام	۳	۲۰	۱	...	...	...	...	...	...	...	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵٫۵
برما	...	۵۴۵	...	...	...	...	...	...	...	...	۱۴۳	...	۱۴۳۳	۴۱۶۸	۳۳٫۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۷۱۳۸۵۴۸	۳۴۰۹۷۳۴	۱۲۲۴۳۶۱	۸۴۳۲۹۹۱	۸۸۲۳۱۱۸	۲۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۸۴۴۷۱۶۵	۱۲۴۸۰۶۳	۲۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۹	۴۲۵۷۸۵۴	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگال	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۴۶۳۶۱۲۶	۵۷۷۵۰۵۸	۳۵۶۴۵۹۳۹
یوپی	۱۷۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۴۲۱۴۲۵۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۱۱۸۳۴۳۶۴	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۴	۲۱۲۱۵۹۲	۲۲۴۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۱۱	۱۵۱۲۵۳۲	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۲۵۸۵	۱۳۵۵۱۰۵۲
سی پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۳۹۸۰۵۹	۶۷۲۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار اوڑیسہ	۴۹۹۱۵۴۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۳۲۷	۱۲۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۲۶۲۳۲۶	۴۴۴۹۶۲	۴۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۴	۱۸۰۵۷۶۴۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۶۸۶۲۱۸۲	۳۴۷۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۲۱۹

تحریری مقابلہ - انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبدالعزیز صاحب انصاری۔ ایم۔ اے، ایل، ایل۔ بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم والد اور ملک کے مشہور انشاپرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان حسب ذیل ہے: "۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط۔ (۱) مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہیے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں: مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالماجد صاحب، بی۔ اے، مدیر "سچ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)، شیخ الجامعہ۔
مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلباء اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ "ناظم انجمن اتحاد"

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے تازہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ سے واپسی ہو، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دَور کا افتتاح ہو۔

قارئین الہلال واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انگلستان کی دعوت آئی، پھر صدر جمہوریت فرانس، شاہ اٹلی، اور شاہ بلجیم کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں پوپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہو کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اُس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی روک، برطانیہ ہی۔ پھر وہ مختلف دُوَل یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حاکمانہ امتیازات رکھتی ہیں شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ ان ممالک میں جا کر مصر کے موافق عام رائے پر اثر ڈالیں۔

بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبد الخالق ثروت پاشا بھی تھے۔ ثروت پاشا نے جس تدبر و لیاقت سے یورپ کے مدبروں سے گفت و شنید کی، اس کا اعتراف خود یورپین اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت پاشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انگلستان میں تھی۔ انگلستان کی فطرت یہ ہو کہ طاقت کے سوا کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہو، تو کسی طرح بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مصر تقریباً ۴۵ برس سے اُس کے چنگل میں ہو، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہو، انگلستان کو مصر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہتیاروں کی قوت سے زیادہ مؤثر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہو۔ مصری قوم پوری طرح بیدار ہو گئی ہو اور انگلستان کی غلامی سے قطعی طور پر انکار کر رہی ہو۔

مسٹر میکڈانلڈ کی مزدور حکومت کے زمانے میں خود سعد زغلول پاشا انگلستان گئے تھے کہ معاملات مصر کے متعلق کوئی منصفانہ تصفیہ ہو جائے مگر اُنھیں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اُسوقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں عظیم تبدیلی ہو چکی ہو۔ معلوم ہوتا ہو، ان جدید حالات میں ثروت پاشا ناکام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صورت مفاہمت کی نکل آئے گی۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیشین گوئی کرنا قبل از وقت ہو۔ لیکن حالات اُمید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے برطانیہ اور مصر، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ مسٹر بالڈون نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہو:

"ہز اکسلینسی ثروت پاشا کی انگلستان میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آئندہ تعلقات پر بحث کی ہو۔ اُمید ہو کہ اس گفت و شنید نے ہمیں اُس صحیح بنیاد تک پہونچا دیا ہوگا جس پر مصر اور انگلستان کی دوستی کی ایسی مستحکم عمارت کھڑی ہو سکتی ہو، جس سے ایک طرف برطانی سلطنت کے اساسی مصالح بھی محفوظ رہیں، اور دوسری طرف مصر کو اپنی آزادی اور خود مختاری سے متمتع ہونے اور قوموں کے مجمع میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے"

دوسرا بیان خود مصر کا ہو۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہو:

"ہمارے وزیر اعظم نے اپنی لندن میں موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر خارجیہ سے طول طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عمدہ اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں مصر اور سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محالفہ (حلفیہ عہد نامہ) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انگلستان کے علائق بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محالفہ اس شرط سے ہوگا کہ ہماری پارلیمنٹ بھی اسے منظور کر لے"

"میں نہایت مسرت سے اُس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص سے کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیں تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ اُن کے درمیان دوستی کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اُس سے مرتبط ہو جائیں، اور باہمی اعتماد سے فائدہ اُٹھائیں"

ان دونوں بیانوں کی روشنی میں امید بندھتی ہو کہ جلد برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا، جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور نہر سویز کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پا سکا، تو یقیناً یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت تازیانۂ عبرت ہوگی۔ کیونکہ ایک مٹھی بھر مشرقی قوم، جس کی آبادی سوا کروڑ سے بھی کم ہو، اپنی سچی وطنیت اور صادق استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبّار سے اپنی آزادی تسلیم کرا سکتی ہو۔ مگر ہندوستان، جو ایک پورے بر اعظم کا درجہ رکھتا ہو، اور ۳۲ کروڑ انسانوں کا وطن ہو، بدستور برطانیہ کی شرمناک غلامی پر قانع رہتا ہوا

ہندوستان کو دہوکا دینے کے لئے ایک شاہی کمیشن، انگلستان سے آ رہا ہو۔ ایک ایسا ہی کمیشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ "ملنر کمیشن" کے نام سے مشہور ہو۔ مصریوں نے اس مضحکہ انگیز کمیشن کا مقاطعہ کیا۔ یہی دانشمندانہ مقاطعہ، اُن کی سیاسی زندگی کا اصلی سرچشمہ ہو۔ اب ایک ایسا ہی موقعہ ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہو۔ دیکھا چاہئے وہ اس آزمائش سے کیونکر عہدہ برا ہوتا ہو؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک غرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ دُوَل یورپ کو اُن حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جائے، جو اُنھیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہو۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہو کہ "ہماری کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت عنقریب ایک کانفرنس میں دُوَل یورپ کو مدعو کرنے والی ہو تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے"

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہو کہ مصطفےٰ نحاس پاشا اُس کے بالاتفاق صدر قرار پا گئے۔ مصطفےٰ پاشا جماعت وفد کے بھی صدر ہیں۔ یعنی مرحوم سعد پاشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کئے گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گئے۔ یعنے جماعت وفد میں بھی اور قومی پارلیمنٹ میں بھی۔

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفےٰ نحاس پاشا مصری رہنما کی زبانی

۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ یہی تاریخ ہو جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہو۔ اس سال بھی یہ عید منائی گئی۔ مرحوم سعد پاشا زغلول کے جانشین مصطفےٰ نحاس پاشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطبہ دیا۔ مصری ڈاک میں یہ ہم تک پہونچا ہو۔ اسمیں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہو۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہو:

سیاسی بیداری کا آغاز

"مصر پر ایسے سخت دَور گزر چکے ہیں، جب پرستاران طاقت کو یقین ہو گیا تھا کہ اُن کا جبر و تشدد، قومیت کا شرارہ بجھا دے سکتا ہو اور دلوں پر ناامیدی کی موت طاری کر دے سکتا ہو۔ حالانکہ اس کائنات میں کوئی قوت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزوئیں مٹا نہیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہو۔ ایسا قوت کی یہ کوششیں کسی زمانے میں بھی بار آور نہیں ہوئیں۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الٰہی کے خلاف ہیں، مشیتُ الٰہی کے برعکس ہیں، خدا کی ٹہرائی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح مشاہدہ میں دیکھ لی۔ ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اُتنا ہی زیادہ راسخ ہوتا جاتا تھا۔

جنگ عمومی کا جب صور پھونکا گیا، تو مصر، دوَل اتحاد کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ اُس پر سخت قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اُس پر پورا قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا جنگ میں مصر نے جان و مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحادیوں کا پلہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحادی، حق لینے کے عادی تھے، حق دینے کا اُنھیں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے مصر کی آواز سننے سے انکار کر دیا!

اُنھوں نے صرف انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اُس کی ہر ممکن تذلیل کی گئی۔ اُس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو فاتحانہ جنگ میں خون آلود ہو چکے تھے۔

اُسوقت ہم چند دوستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہو۔ مگر یہ حرکت شروع کیونکر ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی، جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول پاشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفتیں جمع تھیں، جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اُسوقت مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے سکریٹری بھی تھے۔

ہمنے اس مجلس کے ایک رُکن سے درخواست کی کہ وہ سعد پاشا سے اُن کے کسی معتبر دوست کے ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس رُکن نے ہمیں اطلاع دی کہ سعد پاشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہو

اسپر ہمنے اس دوست سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ اُسنے آخری سوال یہ کیا "اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سر کچل ڈالے گی تو پھر کیا ہوگا؟" ہم نے فوراً جواب دیا "تم چلے جاؤ گے تو ہم تمھاری جگہ کھڑے ہو جائینگے!"

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہوگیا۔ اُسے یقین آگیا کہ ہم اپنے ارادے میں سچے ہیں۔ تب اُسنے ہمیں بتایا کہ تمھاری یہ تجویز نئی نہیں ہو۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہو، اور سعد باشا سے گفتگو جاری ہو۔

۱۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمشنر کو خبر پہنچ گئی ہو کہ سعد پاشا کے گھر خفیہ جلسے ہو رہے ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہو۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو آگاہ کردیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمشنر کے سامنے علانیہ اپنے مطالبات پیش کردیں یہ ۱۱ر نومبر کا دن تھا، اور التوائے جنگ کا معاہدہ اسی دن منعقد ہوا تھا، لہذا یہی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں بھی تھا۔

ہائی کمشنر نے اس دن ملاقات سے انکار کردیا اور ۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد پاشا، علی شعراوی باشا، اور عبد العزیز فہمی بک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمشنر کو مطلق خبر نہ تھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اُسنے خیال کیا تھا یہ چاپلوس اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکسارانہ تحفہ پیش کرینگے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی کامل خود مختاری کا دعویٰ لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اُنھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمشنر بہت چیں بجبیں ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کردیا کہ اپنی حکومت سے گفت و شنید کر کے جواب دوں گا۔

مصری وفد کی تشکیل

چند دن بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمشنر وہ حیثیت معلوم کرنا چاہتا ہو جسنے اُنھیں اس مطالبہ کا حق بخشا ہو۔ جواب دیا گیا کہ سعد پاشا، مجلس تشریع کے سکرٹیری ہیں، اور اُن کے باقی دونوں رفیق اس مجلس کے رُکن ہیں۔ تینوں قوم کے منتخب نمائندہ ہیں، اور انھیں ملک کی طرف سے بولنے کا پورا استحقاق ہو۔

لیکن سعد پاشا نے مناسب سمجھا کہ اس حیثیت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا صریح حق حاصل کرلیں۔ چنانچہ سات آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شائع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جد و جہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس دعوت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہوگئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روکنے لگے۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد پاشا نے وزیر اعظم حسین رشدی باشا کے سامنے صدائے احتجاج بلند کی: وزیر اعظم نے ۲۵ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت داخلیہ کے انگریز مشیر نے یہ کارروائی کی ہو اور وجہ یہ بتائی ہو کہ بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ ہو۔

لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ وفد بالآخر بن ہی گیا۔

قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد باشا نے وفد کے نام سے از سر نو مطالبہ کیا کہ اُسے سفر یورپ کی اجازت دیجائے۔ اسپر ہائی کمشنر نے یکم دسمبر کو لکھا کہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تحریری تجاویز پر غور کرنے کے لئے طیار ہو، بشرطیکہ یہ تجویزیں اُس مسلک کے خلاف نہ ہوں جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متعین کر چکی ہو!

۲ر دسمبر کو سعد باشا نے جواب دیا۔

"اس کا نہ مجھے اختیار ہو، نہ وفد کے کسی رُکن کو، کہ ایسے معاملات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہو۔ ہم اُس کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے۔"

سعد باشا کا ایک خطبہ

اس جواب پر ہائی کمشنر نے خاموشی اختیار کرلی اور وفد نے اپنی جدّ و جہد شروع کردی۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے حمد باسل باشا کے مکان میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا:

"خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہو۔ یہ جذبہ مصر کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہو۔ جب جب حالات مساعد ہوئے، اس جذبے نے ظہور کیا، اور جب جب ظلم و قہر نے تسلط پالیا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر وہ کبھی مرا نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہو، کیونکہ ترکی سیادت، ختم ہو چکی ہو۔ پس انگریزی سیادت کا بھی اب خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ یہی وقت ہو جس میں لارڈ سالسبری کی یہ آرزو پوری ہو سکتی ہو کہ "ہم اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتے کہ مصر سے عزت کے ساتھ واپس چلے آئیں"!

"یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سراسر نامنصفانہ تھا، حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی، برطانیہ نے صرف اپنی رائے سے کرلی، مصر سے استمزاج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو اور باطل ہو۔ بین الاقوامی قوانین کے روبرو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہوگئے ہیں اُن کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہو۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی ماتحتی میں نہیں ہیں۔ ہمیں اب جس چیز کی ضرورت ہو، وہ صرف یہ ہو کہ صلح کانفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرلے۔ اسکے بعد ہم عملاً اپنے حق آزادی سے متمتع ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے، جو تمام مصریوں کی دلی آرزوئیں اپنے اندر رکھتا ہو، میں نے اور میرے رفقاء نے "مصری وفد" مرتب کیا ہو تاکہ مصر کی خود مختاری کا دنیا سے اعتراف کرائیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہو!"

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صاف صاف بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ سعد باشا نے انگریزی رعب کا باطل طلسم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد باشا کی ایک اور تقریر

۷ر فروری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے ایک اور یادگار تقریر کی۔ مسٹر برونیٹ نے جدید فوجداری قوانین پر ایک خطبہ سنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول باشا کھڑے ہوگئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا:

"برطانیہ نے مصر پر حمایت اپنی رائے اور ارادے سے قائم کردی ہو۔ مصر سے کبھی رائے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت سراسر باطل ہو اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہوگئی ہو، اس لئے اُس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ ناممکن ہو کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت حال گوارا کی جاسکے۔"

سعد باشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کردیا، اور ہر طرف سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ۸ر مارچ ۱۹ء کو انگریزی سپہ سالار نے (کیونکہ اب تک مارشل لا ملک میں جاری تھا) سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ "تم انگریزی حمایت کو اپنی گفتگو کا موضوع نہ بناؤ۔ ورنہ سخت جنگی سزا دی جائے گی!" سعد باشا نے جواب دینا چاہا، مگر متکبر سپہ سالار نے فوراً یہ کہہ کر اُن کا منہ بند کردیا "بس خاموش"! سعد باشا چلے آئے اور اس نامہذب برتاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔

سعد باشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دوسری دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد باشا، حمد باسل باشا، اور اسمٰعیل صدقی باشا کو گرفتار کر کے مالٹا بھیجدیا۔

اس واقعہ نے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کردیا۔ ہر طرف شورشیں برپا ہوگئیں۔ بہت سے فدائیوں نے اپنی جانیں تک قربان کر ڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کرسکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے وفد کے باقی ارکان کو دھمکانا شروع کیا۔ ۱۶۔ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور اُنھیں کہا گیا کہ اس تمام شورش کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

ہمنے جواب دیا کہ اس بے چینی کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار ہو کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہو، اور سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو جلاوطن کردیا گیا ہو۔

قوم کی پہلی فتح

ملک بھر میں سخت ہیجان تھا۔ عین اسوقت لارڈ النبی مصر پہنچے، اور اُنھوں نے یقین کرلیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہو۔ اُسے کسی طرح دبایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ۷ر اپریل کو ظلم و قہر کی قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندوں کو آزاد کردیا گیا اور مصریوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح مبین پر قوم کی مسرت بے حساب تھی۔ لیکن وہ اسپر قانع نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ ۱۱۔ اپریل کو مصری وفد، صلح کانفرنس کے سامنے مصر کا دعویٰ پیش کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب ہم مالٹا پہنچے، تو سعد پاشا اور اُن کے رفقاء ہمارے ساتھ ہوگئے۔ سعد پاشا نے سب سے پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی:

"ہماری جلاوطنی تو ختم ہوگئی۔ مگر اُس کی خوشی نے ہمیں اُس ذمہ داری سے غافل نہیں کیا ہو جو اب ہم پر قوم کی جانب سے عائد ہوگئی ہو!"

اتحادیوں کے اخلاقی دعووں کی حقیقت

ہم پیرس پہنچے تو معلوم ہوا، دول اتحادی کے مدبر، صلح کانفرنس کے دروازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایوان تک ہماری پکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی قدر نہیں بلکہ اخبارات کے صفحات بھی ہم پر بند کردئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری فریاد شایع کرنے پر طیار نہ تھا۔ اُسوقت ہمنے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں۔ ان الفاظ سے دول متحدہ کی غرض صرف یہ ہو کہ دُنیا کو دھوکہ دیا جائے چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پس پشت ڈال دئے گئے اور ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہوگیا!

ہماری مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، بلکہ "پیغمبر صلح و انسانیت" مسٹر ولسن صدر جمہوریت امریکہ نے مصر پر انگریزی حمایت تسلیم کر کے ہماری مصیبت میں ایک نیا اضافہ کردیا۔ اسپر بھی ہم ناامید نہیں ہوئے۔ برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہماری کوششوں سے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ اُسنے پھر دبا دینا چاہا تھا، اور ملنر کمیشن کا کھلونا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیجدیا تھا۔ لیکن اب ہم سیاست میں طفل مکتب نہ تھے کہ اس دلچسپ کھلونے سے کھیلنے لگتے۔ ملنر کمیشن نے مصر میں آکر وہ منظر دیکھا، جس کی اُمید

ہرگز توقع نہ تھی۔ اُسنے دیکھا کہ پوری قوم متحد و متفق ہی، اور یک آواز "مقاطعہ" کا اعلان کر رہی ہی!

ملنر کمیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پچکارا۔ مگر قوم کا صرف یہی ایک جواب تھا کہ "وفد سے باتیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سنیں گے" کمیشن مایوس ہوکر لوٹا اور وفد کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دینی پڑی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہی معلوم ہوگیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیاں ہی کافی سمجھتا ہی۔ اُس کے نقطۂ نظر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہی۔ حالانکہ خود لارڈ ملنر نے اپنی روداد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کی موجودہ حرکت، ایک حقیقی ملی حرکت ہی، اور یہ کہ وفد مصری، پورے ملک کا صحیح نمائندہ ہی۔ مگر برطانی حکومت نے اسپر کوئی توجہ نہ کی۔

قوم کی دوسری فتح

جدوجہد جاری رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب برطانیہ نے دیکھا کہ نیا قدم اُٹھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، چنانچہ نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ "مصر اور برطانیہ کے مابین حمایت ایک ناپسندیدہ علاقہ ہی!" یہ قوم کی دوسری فتح مبین تھی!

نا اتفاقی نے حالت بدل دی

اس اعلان کے بعد برطانیہ اُس منزل میں اُتر آیا تھا جہاں مفاہمت کی اُمید ہوسکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی پاشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اُس وقت سعد پاشا یورپ سے لوٹ آئے تاکہ اپنے مفید مشوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر افسوس اس نازک گھڑی میں نا اتفاقی کے شیطان نے ہمارے اندر سر اُٹھایا قوم میں پھوٹ پڑگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم آگے بڑھا تھا، آخر ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مصر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کر لئے گئے۔ ظلم و قہر کا از سر نو دَور دَورہ شروع ہوگیا۔

ایک اور برطانی وفد

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری وفد گفت و شنید کے لئے لندن گیا تھا، اُسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا وفد مصر آیا تاکہ اصلی حالات کی تحقیقات کرے۔ اس وفد نے آتے ہی حقیقت معلوم کرلی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اُس سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس وفد نے واپس جاکر اپنی روداد شائع کردی۔ اسمیں لکھا تھا کہ مسئلۂ مصر کا ایک ہی حل ہی۔ اور وہ یہ ہی کہ مصر کی کامل خود مختاری تسلیم کرلی جائے۔ اس وفد نے مصر کو بہت فائدہ پہونچایا، کیونکہ انگلستان کی عام رائے، حقیقت حال سے واقف ہوگئی تھی۔

علی گڑھ میگزین کا نوو کیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوگا۔ اس پرچہ میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشاپردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شائع ہونگے۔ اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا۔ تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہی استدعا کی جاتی ہی کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ مضامین اور منظوم ایڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہئیں۔ خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے۔ منیجر علی گڑھ میگزین

عالم مطبوعات و صحائف

مشتری کے متعلق تازہ معلومات

مشتری، نظام شمسی میں سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ چمکنے والا ستارہ ہی۔ وہ آفتاب سے ......۴۸۲ میل دور ہی۔

ایک امریکن ہیئت داں نے حال میں ایک رسالہ لکھ کر مشتری کے متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہی، مشتری کی اہمیت صرف اسی لحاظ سے نہیں ہی کہ وہ سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ روشن ستارہ ہی، بلکہ اُس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہی کہ وہ اجرام سماوی کے متعلق سدیمی نظریہ کا سب سے زیادہ واضح ثبوت پیش کرتا ہی۔

مشتری کا فلک ...۱۷،۲ میل کے دائرے میں ہی۔ وہ اپنے محور کے گرد ہر ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں گردش کرتا ہی۔ اس کا مطلب یہ ہی کہ اُس کی رفتار غائت درجہ تیز ہی۔ اپنے خط استوا پر اُس کی حرکت ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ ہوجاتی ہی۔ مشتری کے مادہ کی کثافت زمین کے مادے کی کثافت کے مقابلے میں ¼ کا درجہ رکھتی ہی۔ لیکن اُس کی قوت جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشتری میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ ہوگا۔

مشتری کے اقمار

مشتری کے چاند، نو ہیں۔ ان اقمار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہی۔ کیونکہ:

(۱) اُس کے ۴ بڑے چاند، اجرام فلکی میں سب سے پہلے انسان نے معلوم کئے۔ گلیلیو نے اپنی کمزور دوربین سے یہ چاند دیکھے تھے۔

(۲) ان چاندوں کے گرہن کے اختلاف نے پروفیسر رومر کو موقع دیا کہ ۱۶۷۵ء میں نور کی سرعت دریافت کرے۔

(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشتری کے مادہ اور اُس کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی۔

۱۸۹۲ء میں پروفیسر برنارڈ نے مقام لیک کے رصد خانہ سے مشتری کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔ باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی ترقی کے بعد دریافت ہوئے ہیں۔

دُمدار ستارے

مشتری کے قریب ۳۰ سے زیادہ دُمدار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان ستاروں کے فلک، مشتری کے فلک سے تقریباً متصل ہیں۔ خیال کیا جاتا ہی، کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشتری کے قریب حرکت کرتے تھے، بتدریج اُسنے اُنھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ہی کہ آخر بالکل جذب کر جائے، اگرچہ یہ ستارے ابتک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔

مشتری کے خطوط

دوربین سے مشتری کو دیکھنے سے اُس کے قرص پر کچھ خطوط یا مختلف رنگوں کے مساوی مسافت کے رقبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اور چند ہفتے، چند مہینے، اور کبھی کبھی چند سال باقی رہ کر غائب ہوجاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب تک کوئی تعلیل نہیں کی جاسکی۔ علماء کا خیال ہی کہ آفتاب کو اس بارے میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابند نہیں ہی۔ یہ بھی عجیب بات ہی کہ مشتری کا قرص، مرکز کے بعد سے سیاہ ہونا شروع ہوتا ہی۔ یعنی اپنے قطبین پر مشتری کا رنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دھندلا بلکہ تاریک ہی۔

مشتری کی حرکت

مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہی کہ اُس کی سطح، دراصل ایک کثیف ابر ہی۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ ابر آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہی۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہی کہ اُس کا پورا جسم ایک ساتھ اپنے محور پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اُس کے بعض اجزا بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سست رفتار ہیں!

مشتری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دوری پر ہی، بہت ہی عظیم ہی۔ علماء کا خیال ہی کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود مشتری ہی سے پیدا ہوتی ہی۔

انسان کا مستقبل

سرفلپ گبز، انگلستان کا مشہور عالم اہل قلم ہی۔ پچھلے دنوں اُسنے مذکورۂ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہی۔ وہ لکھتا ہی:

"انسان، قدرت کی خفتہ قوتیں بیدار کرکے سخت خطروں میں پڑگیا ہی۔ اب اُس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کرکے مسخر کرلے، یا خود مغلوب ہوکر برباد ہوجائے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ انسان، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق العنان حاکم بنجائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہی کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التواء جنگ ہوجائے، تاکہ اس دوران میں انسان اسوقت کی تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لاسکے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو مختل کر ڈالے گی۔ وہ مبہوت ہوکر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بنجائے گی!"

"لیکن یقین نہیں کہ دنیا اس تجویز پر عمل کرسکے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب رو کنے سے بھی رکتا نظر نہیں آتا۔ ہزارہا برس کی قید کے بعد اب وہ آزاد ہوگیا ہی۔ اور برابر بے قید ہی رہنا چاہتا ہی"

"اب انسان کی کوشش یہ ہی کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھی چھین لے جسپر ابتک نظر اُٹھانے کی اُسنے اجازت نہیں دی تھی۔ اب انسان چاہتا ہی کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بنجائے۔ اُسے شرم آتی ہی کہ خود اُس کی تکوین و تخلیق اور اُسکے نفس کی تکیف کا معاملہ، قدرت کے ہاتھ میں ہی، چنانچہ اب وہ چاہتا ہی کہ اپنی پسند کے مطابق اپنی نسل پیدا کرے، اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنائے"

"انسان نے اب معلوم کرلیا ہی کہ جسم اور اخلاق کی تکوین کا معاملہ سراسر اُن غدد یا گلٹیوں سے وابستہ ہی جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں۔ اگر مادہ کے جسم سے وہ خاص گلٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اُسے مادہ بنا دیا ہی، اور اُن کی جگہ وہ گلٹیاں لگا دیجائیں جن کی وجہ سے نر روح نر ہوا کرتا ہی، تو فوراً جنسیت بدلجائے گی یعنی مادہ، نر بنجائے گی اسی طرح نر کو مادہ بنا دیا جاسکتا ہی۔ اب معلوم ہوچکا ہی کہ سر کی ایک گلٹی سے جو مادہ خارج ہوتا ہی، اُس کی کمی بیشی سے انسان لانبا اور پست قد ہوجاتا ہی۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گلٹی کے عمل میں ترمیم کردی جائے، تو حسب مرضی قد دراز اور پست ہوجا سکتا ہی۔ اب قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہی کہ تمام چوروں کے جسم میں بعض خاص قسم کی گلٹیاں ہوتی ہیں۔ اُنھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی حال تمام نیک بدخصلتوں کا ہی کہ مخصوص گلٹیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ان گلٹیوں میں تبدیلی کردی جائے تو آدمی کے اخلاق بدل جا سکتے ہیں۔ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہی جب مجرموں کو قید اور پھانسی کی سزائیں نہیں دیجائیں گی، بلکہ اُنھیں شفاخانوں میں بھیجدیا جائے گا جہاں ... عمل جراحی کیا جائے گا، [illegible] وہ شخص نیک بنا دیا جائے گا"

"بلاشبہ یہ تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلوں میں ہیں مگر علماء کی کوششیں جاری ہیں۔ قوی اُمید ہی کہ وہ جلد مکمل ہوجائیں گی۔ اُسوقت انسان اپنی نسل پر پوری طرح حکمران ہوجائے گا" ابھی تک بنی انسان کی بلند پروازیوں کی کوئی حد نہیں نظر آتی، لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قدرت کی فضا ابھی لا انتہا ہی ... رکھ بھی فضاء قدرت اتنی ہی بلندی پر رہے گی، جتنی بلندی پر ہمیشہ سے چلی آتی ہی!

اسلام اور سزائے قتل

ایک ناتمام مبحث کی تکمیل

(از مولانا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ الہلال کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک ناتمام بحث مکمل کردینی چاہئے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جو کو مستفسر کو مختصراً لکھ کر بھیجدیا گیا تھا لیکن الہلال میں ناتمام رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے اسے فوراً قتل کردینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑادے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو برا بھلا نہ کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کردینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اپنا افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور ان میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح کی سزا کے مستحق نہیں ہیں جیسے رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

فقہ اسلامی کے تعزیری قوانین

قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور مقدمہ کے صاف کردینی ضروری ہیں:

(۱) جب کبھی تعزیر و سیاست کے کسی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہے، اس طرح کی تعبیر بیان اختیار کی جاتی ہے کہ "اسلام کا قانون یہ ہے" اور "شریعت اسلامی کا حکم یہ ہے"، تو قدرتی طور پر اُن تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیرؤں کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اُسی طرح تعزیر و سیاست کے بھی یہ احکام دیدئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم سنتا ہے کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے" تو وہ خیال کرتا ہے، اسلام نے اپنے پیرؤں کو حکم دیدیا ہے کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات مُنہ سے نکالے جس سے اُنکے خیال میں توہین ہوتی ہو، تو فوراً چاقو نکالیں اور اُس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں!

حالانکہ اسلام کی نسبت ایسی مجنونانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اُس کے خلاف سخت سے سخت اتہام ہے۔ نعوذ باللہ اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اُسنے اپنے پیرؤں کو قتل انسانی کا عام پروانہ دیدیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں۔ وہ قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہے۔ اُس کی کتاب اپنے معجزانہ انداز بلاغت میں اعلان کرتی ہے کہ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا قتل، فرد کا قتل نہیں ہے، نوع کا قتل ہے:

من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض، فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاھا، فکانما احیا الناس جمیعا، ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات، ثم ان کثیرا منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون! (۵: ۳۵)

جس کسی نے کسی انسان کو بغیر ان دو حالتوں کے کہ قصاص لینا ہو یا قتل و خونریزی اور ظلم و فساد روکنا ہو، قتل کر ڈالا، تو وہ صرف ایک جان ہی کا قاتل نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کا قاتل ہے۔ اور اسی طرح جس کسی نے ایک انسان کو ہلاکت سے بچالیا، تو اُسنے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہے۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بغیر کسی جذبۂ اعتذار کے کہا جاسکتا ہے کہ ترغیب دی ہے، لیکن وہ صورتیں وہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے بلکہ دُنیا کے عالمگیر اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے ناگزیر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارا نہیں کی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچالیا جائے:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب! (۲: ۱۷۹)

ایسا قتل جو قاتلوں سے انسانوں کو بچانے کے لئے ہو، اگرچہ بظاہر خون بہانا ہے، لیکن فی الحقیقت اسی میں انسانی زندگی کی حفاظت پوشیدہ ہے!

قرآن بتلاتا ہے کہ یہ ناگزیر صورتیں تین ہیں: جنگ، قصاص، اور ایسے جرائم کا انسداد جن کا انسداد بغیر انتہائی سزا کے ممکن نہ ہو۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اُس بنائی ہوئی مخلوق کا خون بہانا برداشت نہیں کرسکتا جس کا نام انسان ہے۔ جو شخص اس سے زیادہ قتل انسانی کا جواز اُس کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ یا تو اسلام سے قطعاً بے خبر ہے، یا اسلام پر تہمت لگانے میں اُسے عار نہیں!

بہرحال تعزیری احکام قوانین کی یہ تعبیر اُن لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اسلامی قانون ہونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام سے کس درجہ مختلف ہے؟ بلاشبہ تعزیر و سیاست کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے یعنے مسلمان قانون سازوں نے وقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں اُن وقتوں کے احوال و ظروف کے مطابق اُن کا اجراء و نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانون اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور اُنھیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجمالی مبادیات ہی سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن اُن کے "اسلامی قانون" ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہے، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کئی حیثیتوں سے واضح ہے:

اولاً، تعزیر و سیاست کے تفصیلی قوانین کا بڑا حصہ براہ راست شریعت کا ٹھہرایا ہوا نہیں ہے، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہے۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ نپولین کے فرانسیسی مجموعۂ قوانین یا تعزیرات ہند کی طرح اُسنے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بنا کر نافذ کردیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا، تو دُنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہوسکتا تھا۔ پس اُسنے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کرلی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجمالی مبادیات وضع کردئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین کا استخراج کیا جاسکتا ہے۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمعیت بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے اور مفاسد کے روک تھام اور مصالح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جاسکیں۔ اسلامی حکومت کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظروف میں ہوئی تھی۔ اس لئے تعزیر و سیاست کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔

پھر جوں جوں دائرۂ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تعزیر و سیاست کی نئی نئی ضرورتیں پیش آتی گئیں، مقننین اسلام تفصیلی قوانین کا استنباط بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تعزیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدوّن ہوگیا۔ پس اگرچہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے براہ راست احکام نہیں ہیں، اور اسلام کے براہ راست احکام میں اور قانون سازوں کے استنباط کئے ہوئے احکام میں جو بنیادی فرق ہے، اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کی طرف دونوں کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہوسکتی۔ پہلے قسم کے احکام اس کے براہ راست ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین مقننین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بسا اوقات اُن میں اور اسلامی اصول و مبادیات میں بے شمار کڑیاں نظر و تفریع، اور قیاس و استخراج کی واقع ہوگئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ یہ قوانین تعزیر و سیاست کے قوانین تھے، اور تعزیر و سیاست کے قوانین سلطنت کے لئے ہوتے ہیں، عام افراد اُمت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنے نماز روزہ کے احکام کی طرح ان کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نماز روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں؛ اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اُنھیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام تعزیر و سیاست کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

صرف اُسی حالت میں قابل عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکام قضاء پر (جسے آج کل کے اُردو اخباروں کی زبان میں "عدالتی کارروائی" کہنا چاہیے) اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اُس عہد میں دُنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظم سیاست یہ ہے کہ "جرم" اور "تعزیر" ایک ایسی چیز ہے جس کی تشخیص اور حکم ہر حال میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عدالت کے سوا کوئی نہیں ہے جسے کسی انسان کو "مجرم" قرار دینے، اور "سزا" دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقصود محض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہے۔ بلکہ سماعت، شہادت، اور تحقیق و حکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکم عدالت کو کارروائی کرنی چاہیے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہے، تو خلیفۂ وقت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مجرم کو سزا دیدے۔ اگر خلیفۂ وقت کے ذاتی علم و مشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم آگیا ہو، تو اُس کی حیثیت محض ایک مدعی یا گواہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اُسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اُسکے دعوے یا گواہی کی نسبت رائے قائم کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس اصل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علیٰحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی جو قوت "سزا" کے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہے، اُسے "مجرم" قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اور اس ایک بنیادی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی ناانصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر دی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم اصلاح ہے لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی مسیحی میں جبکہ دنیا کے سب سے بڑے متمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص بہ حیثیت مجسٹریٹ کے ملزم پر الزام بھی عائد کرتا تھا اور بہ حیثیت جج کے اُسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناصب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو وقت کے حاکموں، گورنروں اور خود بادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بلا رو و رعایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ویسا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک عام باشندۂ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے!

اسلام نے تعزیر و سیاست کے باب میں عدالت کے نظام کو جس قدر اہمیت دی ہے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ کوئی آقا اپنے نوکر اور غلام کو بھی بطور خود سزا نہیں دے سکتا، اگرچہ قصور کتنا ہی بڑا اور سزا کتنی ہی ہلکی ہو۔ اُسے چاہیے کہ باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرے!

ظاہر ہے کہ تعزیر و سیاست کے بارے میں جس قانون کا یہ حال ہو، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ عدالتی اور آئینی نظم کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا دینا جائز رکھ سکتا ہے۔ خصوصاً قتل کی سزا جو انتہائی سزا ہے؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہوتی، اور بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے وہی قوانین سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں اور آٹھویں صدی مسیحی میں دمشق اور بغداد کی عدالتوں میں نافذ تھے، اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک ذمّی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر ڈالتا تو یقیناً وہ اُسی طرح قتل عمد کا مجرم قرار دیا جاتا، جس طرح دُنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اُسنے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہے۔

غرضکہ تعزیر و سیاست کے قوانین کا "اسلامی قانون" ہونا، نوعیت نہیں رکھتا، جو نوعیت اسلام کے شرعی واجبات و فرائض کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تعبیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے، اس لئے چاہیئے کہ تعبیر و بیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تعبیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ اُنھیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ فقہاء اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس بارے میں کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن کیا بحالت موجودہ اُن کا ذکر موزوں اور برمحل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواقع پر اُن کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ ہی میں کیوں نہ ہو؟ مجھے بغیر کسی تامل کے اس کا جواب نفی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دیا، اُنھوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب کبھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں ہی کا باعث ہوگی بصلاح کار اور مصالح وقت کے مطابق نہ ہوگی۔ خود اسلام کے شرعی آداب حکم و افتا کے بھی یہ خلاف ہے کہ غیر عملی اور غیر وقوعی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو ائمۂ سلف کی نسبت جابجا منقول ہے کہ بعض دقیقہ سنجان فقہ کی ایسی کاوشیں ناپسند کرتے تھے جن میں غیر وقوعی صورتیں پیدا کر کے بحثیں کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقعہ پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک اسی قانون پر کیا موقوف ہے؟ سیکڑوں قوانین دوسرے وقتوں اور حالتوں کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اُن کا بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظم شرع یہ ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی وقت کا اصلی حکم ہوگا۔ اُسکے خلاف جو کچھ ہے، وہ وقت کا حکم نہیں ہے۔ پس جب ایک بات موجود حالت سے شرعاً تعلق ہی نہیں رکھتی، تو اُس کا ذکر کرنا اور اُسے بنا ر کار قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تعزیری قوانین غیر مسلموں سے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی حکومت ہو، اُسنے غیر مسلموں کی حفاظت جان مال کا ذمّہ لیا ہو، اور ذمیّوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، اُن میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب سرے سے وہ صورت حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمّہ ہے۔ اور نہ ذمّی ہیں۔ پس فی الحقیقت اُن قوانین کا موجودہ حالت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دینی چاہیے اور کس میں نہیں دینی چاہیے؟ یہ بات تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمّہ لیا تھا، اور اُنھیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کر دیئے تھے۔ چونکہ حکومت نے ذمّہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین و عدالت کے ذریعہ اُنکے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم و تعدّی پر اُتر آئیں تو اُنھیں سزا دے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے، اور نہ غیر مسلموں کا ذمّہ باقی رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام قوانین یک قلم غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمّہ ہی باقی نہ رہا جس پر تعزیر و سیاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور نہ حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزائیں نافذ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں ان قوانین کا ذکر کرنا، اور انہیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہکر پکارنا کس قدر بے معنی بات ہے؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی صورت غیروں کی نظروں میں مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور اُس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑ گئے ہیں۔

اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن لفظوں میں سوال کیا گیا ہے، اُس کا جواب بغیر کسی تامل کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون ہے اور نہ کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہے۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

"کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے، اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُسکا سر اُڑا دے"؟

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں، اور تفصیل اسکی اوپر گزر چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہے، اور وہ بلا شبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں موجود ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذمّی (غیر مسلم باشندہ) اپنے مذہب کے مجنونانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض و عداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر و تذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کرلے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سب و شتم کرنے لگے۔ یعنے گالیاں بکنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبانی کرنے لگے جو صریح سب و شتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ اس طرز عمل کے بعد اُس کا ذمّہ و عہد باقی نہیں رہا۔ یعنے اسلامی حکومت نے اُسے جس باہمی سلوک کے معاہدہ پر ہر طرح کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی دی تھی، اور اُس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمّہ دار ہوئی تھی، وہ خود اُسی کی طرف سے شکست ہو گیا، اس لئے اُسے قتل کرنا چاہیئے۔ دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی وجہ سے عہد و ذمّہ شکست نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی البتہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا سدّباب ہو جائے۔ پہلی رائے حضرت امام مالکؒ، امام احمدؒ، اور امام شافعیؒ کی (کتاب الاُم میں) ہے۔ دوسری رائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہے اور حنبلیہ و شافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔

جو فقہاء اس طرف گئے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہیے، اُنھوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر اُسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اُسکی وضاحت اُسوقت تک نہیں ہو سکے گی، جبتک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً "ذمہ" اور "ذمّی" سے مقصود کیا ہے؟ مختصر لفظوں میں اس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہب و اعتقاد کا اختلاف انسانی قتل و خونریزی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو۔ جس مذہب کے پیرو طاقت و حکومت حاصل کر لیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اُس عہد کی سب سے بڑی متمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن اُس کا بھی یہ حال تھا کہ جبتک وقت تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے امن نہ تھا۔ جب مسیحی مذہب قبول کر لیا، تو تمام غیر مسیحی رعایا زندگی اور معیشت کے

حقوق سے محروم ہوگئی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقاد کی آزادی کا اعلان کیا۔ اُسنے مذہبی رُواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کردی، جس کا اُسوقت تک دنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ ۵۰ برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی مملکت تھی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیرؤں کی تھی، لیکن اُس میں حکمران قوم کے دوش بدوش ہر مذہب ملت کے لوگ آباد تھے، اور سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کرسکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اُسنے فتح مکہ کے بعد عرب کی قدیم بت پرستی کے اقتراف سے تو انکار کردیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب فعلاً اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت اُسی طرح زندگی بسر کرسکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان رہتے سہتے ہیں۔ بحیثیت شہری ہونے کے اُنھیں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں اُنھیں "ذمّی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے اُن کی حفاظت جان و مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمّہ لیا تھا۔ اصل اس بارے میں وہ طرز عمل ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور اُنکے بعد خلفاء راشدین اُن پر عامل رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے، وہ آجتک تاریخ و فقہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے اُنھیں سے ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی رُو سے غیر مسلم باشندوں کے جن حقوق کا بطور عہد و میثاق کے ذمّہ لیا گیا تھا، وہ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہیں:

(۱) اُنھیں پوری مذہبی آزادی ملے گی۔ اُن کی مذہبی عبادتگاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ وہ سنکھ بجانے سے نہیں روکے جائینگے۔ وہ اپنے تہواروں میں اپنے جلوس نکال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اُسی طرح قائم رکھے جائیں گے، جس طرح پیشتر سے موجود ہیں۔ لا یغیّرہ ما کانوا علیہ۔

(۲) اُنھیں اُنکے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: لا یفتنوا عن دینہم)

(۳) ان کی جان مال اور ہر طرح کی جائداد محفوظ رہے گی۔ اُنہیں اُس میں تصرف کے تمام حقوق حاصل ہونگے۔ اگر اُن کا کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی طرف سے لڑیں گے۔

(۴) اُن کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) اُنھیں اُن کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح، ہوگی، اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار، اور معیشت میں کسی طرح کی روک عائد نہیں کی جائے گی۔ اُنکے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہ اُن تمام ٹیکسوں سے معاف رکھے جائینگے جو مسلمانوں کے لئے قرار دئے گئے ہیں ان سے عُشر بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ فوجی خدمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہ اُن معاہدات کا خلاصہ ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً نجران کا معاہدہ جو ۹ھ ہجری میں ہوا تھا، اور جس کے پورے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے متمدن ممالک فتح ہوئے، اور مجوسیوں اور عیسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے ماتحت آگئیں، تو ان مجمل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پوری صراحت کے ساتھ تسلیم کرلی گئیں، جو آزاد باشندوں کی شہر کے لئے اُس عہد میں ہوسکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمان خلفاء جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات وصیت دیکھ لئے جائیں جو مرتے وقت اُن کی زبان پر طاری ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے اُن کا ذمّہ لیا ہے" ذمّیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اعتراف کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت اُن کی جان، مسلمانوں کی جان کی طرح اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔

آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جا رہا ہے کہ اُس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلانا چاہتا ہے، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش! ان معترضوں کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام ہے جسنے اپنے عروج سلطنت کے زمانے میں، جب دُنیا انسانی جان و مال کے مساویانہ حقوق کا تحمّل بھی نہیں کرسکتی تھی، اس قانون کا اعلان کیا تھا کہ من کان لہ ذمّتنا، فدمہ کدمنا، ودیتہ کدیتنا" (ف۱) ایک غیر مسلم ذمّی کا خون بھی ویسا ہی محترم ہے جیسا ہمارا خون، اور اُس کا خون بہا بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم و جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لے کر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمّیوں کا قتل اس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بڑھ کر اسلامی تعلیم کے کون پیکر ہوسکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں، بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنھوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کردیا تھا۔

بہرحال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اُس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ اُسکے عہد میں۔ ایک یورپین مورخ (سیدیو) نے ان لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے "اسلام نے ذمّیوں کو بجز ایک حق کے اور تمام حقوق دیدئے تھے۔ یعنی وہ بادشاہ نہیں ہوسکتے تھے"

ان تمام حقوق کے معاوضہ میں اسلامی حکومت اُن سے کیا چاہتی تھی؟ اس پہلو سے بھی معاملہ پر غور کرلینا چاہئے۔ اسلامی حکومت قدرتی طور پر اُن سے اس سلوک کی توقع رکھتی تھی کہ:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تصور کرینگے، اور اس کے خلاف کسی بغاوت یا سازش میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رُواداری کا برتاؤ کریں گے۔ جس طرح وہ اُن کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کرینگے جس سے حکومت کی توہین و تذلیل ہو یا حکومت کے مذہب کی توہین و تذلیل ہو۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان توقعات کو بے اعتدالی قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی مسیحی کی دُنیا میں جب اسلام نے ان امور کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساویانہ حقوق دیکر اُن سے اس طرز عمل کی متوقع رہتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دُنیا میں کون قوم اور مذہب ہے جو اپنی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دکھلا سکتا ہے؟

مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اور یہ ذمّی اور اُن کا ذمّہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکنے لگیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہوجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ اس پر بھی اُنھیں قتل نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہئے جس سے اس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سدّباب ہوجائے۔ امام ابو حنیفہ اور فقہاء شافعیہ وحنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ گذشتہ صدیوں میں جسقدر بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، انکا عمل فقہ حنفی ہی پر تھا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت مغلیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت عثمانیہ۔ اس لئے تاریخ میں کئی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان مصطفیٰ خاں چہارم کے زمانہ میں ایک ارمنی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُس نے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسم گرامی لیکر سبّ و شتم کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور اُنھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اُسنے شیخ الاسلام سے دریافت کیا "کیا اس سے زیادہ سخت سزا نہیں دی جاسکتی تھی؟" شیخ الاسلام نے کہا "شرعاً میں یہی سزا تجویز کرسکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دیجئے" سلطان خاموش ہوگیا!

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اس طرف گئی کہ ایسی صورت میں قتل کرنا چاہئے۔ امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی سے یہی مروی ہے۔ اُن کی نظر اس طرف گئی تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیئے ہیں، اور باشندۂ ملک ہونے کے اعتبار سے اُن میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اس طرز عمل کے بدلے وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ جس طرح اُنکے مذہب کا لحاظ رکھا گیا ہے، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں۔ اور کوئی بات علانیہ ایسی نہ کریں جس سے توہین و تذلیل مقصود ہو۔ لیکن اگر اس پر بھی ذمیوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو اسلام کا اتنا لحاظ رکھنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ اُسکے پیغمبر کو خود مسلمانوں کے منہ پر صریح گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے، اسے قتل کردینا چاہئے۔

خلاصۂ بحث

یہاں تک جسقدر بیان کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ:

(۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا کوئی براہ راست منصوص قانون نہیں ہے، بلکہ تعزیر و سیاست کا ایک فرعی حکم

ف۱ حافظ زیلعی نے ہدایہ کی تخریج میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اور ایک فیصلہ نقل کیا ہے جو اُنھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں صادر کیا تھا، اور مسلمان قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا۔

ہو... اور ... ان ... میں اختلافات ہوا ۔ ایک جماعت کہہ گئے ... آیا ہو ... ان ... الہلال ... ، ... اس کا بھی ... [illegible]

(۲) ہو... ... لئے کی ... کی ... ایا ۔ ... ... بھی حالات ... ہو ... تو ... تھی ، اُ ... ش ... نظر ... ہو ... کوئی ... الہلال ... کا کوئی ... عالم ... ایسی ... معاملہ ... فیصلہ ... ہو ... اس ... خدا ... بندوں کا قول ... جائے

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ... اس ... اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے " توہین " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ " توہین " کا لفظ بہت زیادہ عام ہو ... باتیں ایسی ہو ... ہیں ... ایک شخص کے خیال میں توہین ... ہو ... دوسرے کے خیال میں ... ۔ ... اسی ... مقابلہ ... کے لفظ سے تعبیر کیا ہو ... " ب " ... سرسری کالی دینے کے ہیں ، یا ایسے الفاظ لکھنے کے ہیں جو بمنزلہ دشنام ہوں

(۴) ... مجھ کو بھی ... یہ ... ہو ... م ... قوانین اور ان کی ... کو موجودہ حالات سے کوئی ... کی ... نہیں ... ... مقدمات میں گریز کیا۔

(۵) باقی رہی وہ صورت حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی ، تو اُس کا حال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہے ۔ اور ... اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہے ... ہندوستان میں ... پہلے بعض بدزبان مسیحی مشنریوں نے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی مہذب اور سنجیدہ ... نہیں کی جا سکتی ۔ ... ان کے ... بعد آریا سماج کے نئے مشنری ... اُن میں سے بعض لوگوں نے مذہبی تحقیق اور سنجیدہ ... کی جگہ انہی کا نقش قدم اختیار کیا ۔ " رنگیلا رسول " نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک اخلاقی موت تھی ۔ یقیناً حکومت اور قانون وقت کا فرض ہے کہ اس قسم کی دلآزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے ، اور جائز نکتہ چینی اور مذہبی دلآزاری میں امتیاز کرے ، لیکن میرا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنی طبیعت اس انداز کی بنالیں ، کہ جہاں کسی ٹٹ پونجئے نے ایک چار ورقی رسالہ چھپا کر شائع کر دیا ، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام مسلمان شور و واویلا مچانا شروع کر دیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی ، اور " تحفظ ناموس رسول " کا سوال پیدا ہو گیا ۔ نعوذ باللہ ، اگر چند جاہل اور کم ... انسانوں کے بکواس کر دینے سے " ناموس رسول " کی حفاظت کا سوال پیش آ سکے ۔ یا اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہو ، ایسا ہونا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خودداری کے ... اس درجہ خلاف ہے کہ میں سمجھ نہیں سکتا ، کیونکر ایک مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہے ؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی چھاپ دئے جائیں جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعی اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا ۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جس طرح ہمیشہ بری زبان اور برے اخلاق کے لوگ موجود رہے ہیں ، اب بھی موجود ہیں ۔ اگر اُن کی تحریروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہے جس میں کوئی سنجیدہ اعتراض کیا گیا ہو ، تو چاہئے کہ اُس کا جواب دیدیا جائے ۔ باقی جس قدر بدزبانی ہے ، وہ بحکم " کلالٹے بدبرلش خاندۂ " انہی کے لئے چھوڑ دینی چاہئے ۔

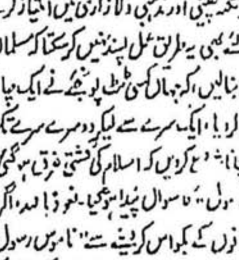

اعلان - ۱

قارئین الہلال کے لئے

(۱) پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نمبر ۲۴ پر الہلال کی پہلی ششماہی جلد ختم ہو جائے گی ۔ لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اگر چہ مہینوں کے حساب سے یہ اعلان غلط نہ تھا ، لیکن نمبروں کی تعداد کے لحاظ سے اس میں فرق کی گنجائش ہے ۔ اگر سال کی دو تعطیلیں منہا کر دی جائیں (جیسا کہ شروع میں دفتر الہلال کا قاعدہ تھا) تو اس صورت میں بھی سال بھر کے ۵۰ نمبر ہونے چاہئیں ۔ نہ کہ ۴۸ ۔ بہر حال دفتر نے ارادہ کر لیا کہ پہلی جلد کا اختتام نمبر ۲۴ پر نہیں بلکہ ۲۵ پر کیا جائے ، اور اس طرح خریداران الہلال کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے ۔ چنانچہ یہ نمبر بھی پہلی ششماہی جلد کے سلسلہ میں بھیجا جا رہا ہے ۔ جن حضرات نے نئی جلد کے لئے وی ۔ پی کی درخواست کی ہے ، اُن کا نیا حساب اس نمبر کے بجائے آئندہ نمبر سے شروع ہوگا ۔

(۲) لیکن الہلال کی نئی ششماہی جلد کے آغاز کے لئے یہ صورت بھی زیادہ بہتر معلوم نہیں ہوئی کہ دسمبر کی ایک درمیانی تاریخ سے اس کا سلسلہ شروع کیا جائے ۔ اس طرح مہینوں کا حساب ہمیشہ بے ترتیب رہتا ، اور بجائے سال کی ابتدا یا سال کے وسط کے ، ایک درمیانی تاریخ سے جلد شروع ہوا کرتی ۔ پس یہی مناسب معلوم ہوا کہ آئندہ جلد کی ابتدا جنوری سے کی جائے ۔ جنوری سے جون تک ، اور پھر جولائی سے دسمبر تک ، ہمیشہ ششماہی اختتام و آغاز ہوتا رہے گا ، اور حساب میں کسی طرح کی بے ترتیبی باقی نہیں رہے گی ۔

دسمبر میں ۵ جمعے واقع ہوئے ہیں ۔ آخری جمعہ تعطیل کا تھا ۔ اس لئے اگر یہ وقفہ اختیار نہیں کیا جاتا تو دو نمبر اور نکلتے ۔ اب یہ دو نمبر نہیں نکلیں گے ۔ جنوری کے پہلے جمعہ سے جو ۶ کو واقع ہوگا ، نئی ششماہی جلد کا سلسلہ شروع ہوگا ۔

(۳) اس وقفہ کے اندر مطبع کو زیادہ انتظامات کی تکمیل کا بھی موقعہ مل جائے گا جو پیش نظر ہیں ، اور جن کی وجہ سے نئی ششماہی سے الہلال کے ترتیب مضامین اور حسن طباعت میں متعدد نئی تبدیلیاں نظر آئیں گی ۔ ادہر چند نمبروں سے الہلال کی طباعت خصوصاً تصاویر کی تعداد و طباعت میں جو ترقی ہوئی ہے ، اُمید ہے کہ قارئین الہلال نے محسوس کر لی ہوگی ۔ یہ اب مطبع الہلال کا ذاتی انتظام ہے جس کی وجہ سے بلاک بہ لحاظ قسم و نوعیت کے بھی بہتر بننے لگے ہیں ، اور اُن کی چھپائی بھی خاص طریق طباعت اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور خوشنما ہو گئی ہے ۔ اُمید ہے کہ عنقریب بقیہ انتظامات کی تکمیل ان تمام چیزوں میں مزید دلآویزی و اہتمام پیدا کر دیگی ۔ — " مینیجر الہلال "

اعلان - ۲

(۱) مجھے ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہے کہ الہلال کی اشاعت کے وقت صورت حال کا جو اندازہ کیا تھا ، وہ کئی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا ۔ سب سے زیادہ مجبوری صحت کی طرف سے پیش آئی ہیں ۔ میں نے جب جب ارادہ کیا کہ الہلال کے کافی وقت نکالوں ، صحت کی فوری ناموافقت دامنگیر ہوئی ، اور قدم اٹھا کر پھر رک جانا پڑا ۔

(۲) میں اُن دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں جو زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں الہلال کی ... ... ۔ تاہم انہوں نے رشتۂ انتظار ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ... مطالعہ جاری رکھا ۔ اگر میرے خاص مضامین کی قلت رہی ہو تو بہ حیثیت مجموعی الہلال کے مضامین کی کثرت اور تنوع کا معیار یکساں طور پر برابر قائم رہا ہے ، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقعہ پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا ۔

(۳) بہر حال اُن دوستوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جوں ہی علالت سے مجھے تھوڑی سی مہلت ملی میں نے الہلال کے لئے لکھنا شروع کر دیا ، اور اب اُمید ہے کہ توفیق الٰہی سے یہ سلسلہ زیادہ ... ترتیب کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا ۔ افسوس ہے کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی تھیں جو نہ لکھی جا سکیں ۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جو کچھ ماضی میں نہ ہو سکا ، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے !

(۴) مجھے چند الفاظ الہلال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں ۔ ۱۹۱۲ء میں الہلال کی قیمت بارہ روپیہ سالانہ اور سات روپیہ ششماہی تھی ۔ ۱۹۱۶ء میں البلاغ نکلا ، تو اس کی قیمت بھی یہی تھی ۔ یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی ۔ لیکن دونوں سالوں میں جو عظیم فرق ہو چکا ہے ، وہ شاید بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا ۔ میں چاہتا ہوں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دوں ۔

۱۹۱۴ء میں (یعنی جنگ سے پہلے) چھپائی کے تمام مصارف ، موجودہ مصارف کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھے ۔ جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دوگنی سہ گنی ہو گئی ہیں سامان طباعت کی بھی ہو گئی ہیں ۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال جس مشین پر چھپتا تھا ، اُس کی قیمت ۶ ہزار روپیہ تھی ۔ اب بارہ ہزار ہے ۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال کے لئے جو کاغذ استعمال کیا جاتا تھا ، اُسکی قیمت تین روپیہ فی ریم تھی ۔ اب اُسی کاغذ کی سات روپیہ ہے ۔ روشنائی جو اُسوقت لگائی جاتی تھی ، ڈیڑھ روپیہ فی پونڈ سے زیادہ کی نہ تھی ۔ اب وہی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہے ۔ اُسوقت سینیر کمپوزیٹروں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ روپیہ ماہوار تھی ۔ اب اس تنخواہ میں کوئی جونیر بھی نہیں مل سکتا ۔ تصویروں کے بلاک اُسوقت ۴ ر اسکوائر انچ میں بنتے تھے اب اُنہی کی اُجرت آٹھ آنہ سے بھی زیادہ ہے ۔ لیتھو کی چھپائی میں کتابت کی اُجرت اُسوقت ۴ ۔ ۵ روپیہ جزء سے زیادہ نہ تھی ۔ اب دس روپیہ کی اُجرت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہے ۔ ایسی حالت میں بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ الہلال کی جو قیمت ۱۹۱۴ء میں قرار دی گئی تھی ، وہ ۱۹۲۷ء میں کیونکر موزوں ہو سکتی ہے ؟ بیجا نہ تھا اگر اب بارہ روپیہ کی جگہ ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ سابق قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی وسیع اشاعت رکھنے پر بھی جو اُسوقت کسی اُردو سالہ کی نہ ہوگی ، اب تک اُس کے مصارف اور آمدنی کی میزان مساوی نہ ہو سکی !

یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۴ء میں اس کی ضخامت عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی ۔ اور اب کم از کم ۲۴ ۔ ۲۸ ہے ۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہوں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ۵ فی پرچہ قیمت دیکر الہلال کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک کر رہے ہیں ، تو اُمید ہے کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے !

ابوالکلام

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّی

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود گرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ نسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو، ظاہر ہو۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی بڑا نعمت ہو۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ان کشیدہ کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجیے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے۔ یہ امر تو مسلم ہو کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہو۔ بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرتا۔ رنگ کا نکھارنا، روح کو تازگی اور قوت دینا، گئی ہوئی طاقت میں از سر نو کا ڈالنا اس کی خاصیت ہو۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہو اس لئے کہ نادر و بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس کا معمولی منابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس الحکماء دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہو جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام ہمدرد دواخانہ کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہو۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا موقع ملتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہو۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوے میں سچا ہو۔ منگا کر آزمائیے۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو۔ علاوہ ماء اللحم کے علاوہ مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی۔

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

مستورات کے لئے بہترین تحفے

نئی ایجاد — بے نظیر تحفے

چوڑیاں: یہ نہایت خوبصورت نازک اور منقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک نول کی صورت میں بنایا گیا ہو۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین جواہرات نیلم در پکھراج کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجیے لیکن رنگ روغن میں مطلق فرق نہیں آتا۔ ویسا ہی رہتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہو۔ صرف ایک روپیہ میں ۵۰ روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہو۔ بڑے لوگ یہی چوڑیاں ڈھائی روپے کی ۸-۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہم زیادہ بکری اور تھوڑے منافع کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہو۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹ قیمت صرف ایک روپیہ۔ ضرور بالضرور کم از کم ایک سٹ ضرور منگائیے کہ اگر ناپسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجیے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔

لندن انگوٹھیاں: ہر ناپ کی نگدار نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنئے اور ایک میں سونے کی۔ اگر پہچان لے۔ تو ہمارا ذمہ۔ کسی جوہری یا سنار کے پاس لے جائیے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہو۔ تو آپ کیوں ناحق ۲۵-۳۰ روپئے ضائع کرتے ہیں۔ کیوں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (عہ۲)

خط و کتابت کا پتہ۔ منیجر زنانہ کاروبار لاہور

جلد آرڈر دیجیے

سونے کی چوڑیاں

زبردست رعایت

یعنی

تین روپے کے بجائے سوا روپیہ میں

بہنوں کی سہولت کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہو۔ کیونکہ ہم براہ راست انگلستان سے منگاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہو یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سوا روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں نول کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آ جاتی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نگینے انکے اندر جڑ دئے گئے ہیں۔ صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہو اور سوا روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہو۔ برسوں استعمال کیجیے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ آپ ضرور منگوا کریں۔ قیمت فی سٹ سوا روپیہ (عہ) محصول ۶/۔ ایجنٹ بذریعہ خط و کتابت کریں۔ نمونے کے لئے دو آنے (۲) کا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ملنے کا پتہ۔ بی کے برادرس اینڈ کو نمبر ۹۵ دہلی

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب، ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں۔ ایک خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ ساتھ روپیہ تیرہ آنہ (عہ۱۳) — دفتر معالج برص نمبر ۱۰ دربھنگہ (بہار)

قسم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں: جن کے استعمال کے وسیلے اس آسانی سے قسم چھڑ چکے ہیں ایک روپیہ بھر کے تولہ کے لئے ہر کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ حکیم محمد عمر اینڈ سنز موگا ضلع فیروزپور پنجاب

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی آثار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکّے، اور نقوش، پرانے زیور، آرایش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دُنیا کے تمام حصّوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں شلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

براعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سی گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہی!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہی

اور جسے **ملک معظم** برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہی!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہی

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصّہ نزاکت یا پیچیدہ ہونیکی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن سے ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ بریٹن

The Dunlop guide To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

"مولٰنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہو کی رَواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟ قیمت بارہ آنے

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے قریب دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا

استعما...